Title - HAYAAT JAAMI

Creator - Mohd. Aslam Jairajpuri.

Publisher - Matba Ahmadi Aligarh.

Date - 1911

Pages - 80

Subjects - Jaami, Abdur Rehman - Sawaneh - o - Tanqeed; Tazkira Masnafeen - Farsi - Abdur Rehman Jaami.
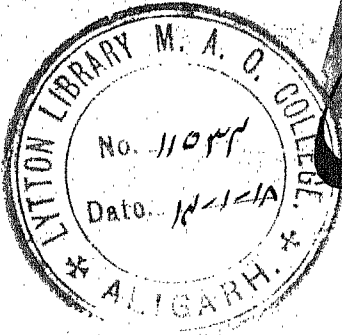
حیات جامی

جس میں

مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی فارسی کے مشہور شاعر کی زندگی
کے مکمل حالات اور اُن کے علمی کارنامے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ
جمع کیے گئے ہیں، نیز اُن کے تصوف اور عشق کے واقعات اور لطائف
وظرائف کا بھی بیان ہے۔ اور اُن کی تمام تصانیف کی کیفیت اور اُن کی
شاعری پر محققانہ تنقید لکھی گئی ہے

مصنفہ

اسلم جیراج پوری

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوئی

مصنف نے مدرسۃ العلوم علیگڈھ سے شائع کی

۱۹۱۱ء

یوروپین مصنفوں کے نام جو ہماری کتاب میں آئے ہیں ہم اُن کو صحت کے ساتھہ ذیل میں انگریزی میں بھی لکھدیتے ہیں تاکہ وہ صحیح پڑھے جائیں ٭

Sir John Malcolm	جان ملکم
W. Jons	ولیم جونس
F. F. Arbuthnot	اربتھناٹ
Mr. Wilson	مسٹر ولسن
Louisa Stuart Costello	میڈم لوئسا
Falconer	فالکنر
Mr. Fitzgerald	فٹزجیرلڈ
S. Robinson	مسٹر رابن سن
Ralph T. H Griffith	ڈاکٹر گریفتھ
A. Rogers	راجرس
Hartmann	ہارٹمن (جرمن)
Rosenzweig	روزنزویگ (جرمن)
Barn van Schlechta Wssehrd	شلختا ویشرڈ (جرمن)
Chezy	چیزی (فرنچ)
Thornten	تھارنٹن (فرنچ)

فہرست مضامین حیات جامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

ولنا جامیؒ اُن اہلِ کمال بزرگوں میں سے ہیں جنکا فیضان عام ہوتا ہے۔ بہت م لوگ ایسے ہونگے جو اُن کے علمی احسان سے محروم ہونگے۔ اُن کی کتابیں سف زلیخا۔ بہارستان اور شرح جامی عام طور پر مکتبوں اور مدرسوں میں ھائی جاتی ہیں بچّہ بچّہ کی زبان پر اُن کا نام ہے۔ مگر بایں ہمہ ابتک کسی نے اُنکی ندگی کے حالات لکھنے کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔

راقم نے ۱۹۰۹ء میں جب حیاتِ حافظ لکھکر شائع کی۔ اور وہ اہلِ علم لقے میں قدردانی کی نظر سے دیکھی گئی اُسوقت بعض علم دوست احباب نے ہش کی کہ مولنا جامیؒ کی حیات بھی اسی طرحپر لکھی جانی چاہیئے۔

چونکہ ہم بھی مولنا کے زیر بارِ منّت اور اُن کے علمی خرمن کے خوشہ چینوں سے ہیں۔ علاوہ بریں اُنکی زندگی مکارم اخلاق کا مجموعہ اور فضائل انسانی کا نمونہ سلیئے نہ صرف دوستوں کے اصرار سے بلکہ علمی لحاظ سے اور نیز ابنائے جنس

کی خدمت سمجھکر ہم اس کام کیلئے آمادہ ہوگئے۔

شعرا اور صوفیہ کے بیسیوں فارسی تذکروں میں مولٰنا کے حالات دیکھنے
آئے۔ لیکن ہم نے زیادہ تر واقعات اُنھیں چند کتابوں سے لیئے جو خود آنکے معاص
نے لکھی ہیں مثلاً۔ رشحات۔ لطائف الطوائف۔ تذکرہ دولت شا
سمرقندی اور مجالس العشاق۔

پہلی دونوں کتابیں مولٰنا علی بن حسین الواعظ الکاشفی کی لکھی ہوئی ہیں جو مو
جامیؒ کے نہ صرف ہم عصر بلکہ ہم زلف بھی تھے اور مدّتوں اُنکی خدمت میں رہے
اور مجالس العشاق سلطان حسین کی تصنیف ہی جو مولٰنا جامیؒ کا ممدوح تھا۔

علاوہ بریں مولٰنا کی تقریباً تمام تصانیف بہم پہونچائیں۔ اُنکی جن جن کتابوں کے
انگلش میں ترجمے ہوئے ہیں وہ بھی دیکھے۔ انگریزوں اور بعض دوسرے یورپین
مؤرخوں اور ادیبوں نے اُنکے متعلق جو کچھ لکھا ہی اُسکو بھی پڑھا۔ الغرض جہانتک ہ
اِمکان میں تھا مولٰنا کے متعلق تاریخی معلومات حاصل کرنے میں ہم نے کوئی کمی نہیں
اور نہایت اختصار کے ساتھ یہ کتاب مرتب کی۔

اُمید ہی کہ احباب اِس ناچیز تحفہ کو قبول فرمائینگے۔ اور ہماری سعی مشکور ہوگی

اسلم

۱۳۔جون ۱۹۱۱ء

مدرستہ العلوم علیگڑھ

ولادت اور نام ونسب

مولانا کا نام عبدالرحمٰن۔ لقب نورالدین اور تخلص جامی ہے
۸۱۷ھ میں ۲۳ شعبان کو عشا کے وقت پیدا ہوئے۔ وہ خود اُس
قصیدے میں جو شرحِ حال میں لکھا ہے اور جس میں پیدائش سے لیکر اخیر زندگی
تک کے واقعات نظم کیے ہیں فرماتے ہیں ؎

بسالِ ہشت صد و ہفتدہ ز ہجرتِ نبوی — کہ زد ز مکہ بہ یثرب سرادقاتِ جلال
ز اوجِ قُلّۂ پرواز گاہِ عزِّ قِدم — بدیں حضیضِ ہوا پست کردہ ام پروبال

یہ عجب حُسنِ اتفاق ہے کہ جس دن انکی پیدائش ہوئی ہے اُسی دن خُراسان
کے بادشاہ شاہرخ مرزا نے فارس اور عراق پر قبضہ کیا ہے۔

اُن کے والد کا نام مولانا نظام الدین احمد اور دادا کا شمس الدین تھا۔
یہ لوگ دشتی کے نام سے مشہور تھے۔ کیونکہ ان کی اصلی سکونت اصفہان کے محلہ
دشت میں تھی۔ انقلابِ زمانہ کی وجہ سے وہاں سے نکلکر جام میں جو ملک
خراسان میں ہے بُود و باش اختیار کی۔

جام کے نواح میں ایک گانوں خرجرد ہے وہیں مولانا کی پیدائش
ہوئی۔ اسی نسبت سے اُنھوں نے اپنا تخلص جامی رکھا۔
فرماتے ہیں ؎

مولدم جام و رشحۂ قلم | جرعۂ جام شیخ الاسلامی[۵۱] است
لاجرم در جریدۂ اشعار | بدو معنی تخلصم جامی است

ان کے خاندان میں علم موروثی تھا۔ ان کے باپ اور دادا دونوں اپنے اپنے زمانوں کے مشاہیر علما اور اہلِ تقوےٰ میں سے تھے۔ جام کے افتا اور قضا کا عہدہ انھیں لوگوں کے سپرد تھا۔

ان کا سلسلۂ نسب ماں اور باپ دونوں کی طرف سے امام محمد[۵۲] رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچتا ہے۔

۵۱۔ شیخ الاسلام سے مُراد شیخ اکبر علّامہ محی الدین ابنِ عربی ہیں، جو اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں ۶۳۸ھ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کی قبر زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ سلاطینِ عثمانیہ کی طرف سے اُس پر بڑی توجہ کی جاتی ہے۔ سُلطان سلیم خاں نے وہاں ایک مدرسہ بنوا دیا ہے، اور اُسکے لیے بہت بڑا وقف کر دیا ہے۔

علّامہ موصوف مشاہیر صوفیہ کرام میں سے ہیں۔ بہت سی تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں جنہیں سے فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ اہلِ تصوف میں بہت مقبول ہیں۔

۵۲۔ امام محمد رح امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ انھیں کے ذریعہ سے فقہ حنفی دنیا میں پھیلی۔ امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح دونوں صاحبین کہلاتے ہیں۔ ان کی پیدائش شہر واسط میں ہوئی تھی۔ ۱۸۹ھ ہجری میں وفات پائی، قبر شہر رَے میں ہے۔

تحصیلِ علم

ان کے والد بچپن ہی میں تعلیم دلانیکی غرض سے انکو لیکر ہرات میں آ گئے۔ پہلے قرآن شریف حفظ کرایا۔ پھر خود ہی عربی کی صرف و نحو پڑھائی۔ بعد ازاں مدرسۂ نظامیہ میں داخل کر دیا۔ وہاں اُنھوں نے مولنا جنیدؔ اصولی سے جو کہ عربیّت میں بہت ماہر اور مشہور تھے تلخیص للمفتاح پڑھنی شروع کی۔ اُسی زمانے میں اُن کے حلقۂ درس میں مُستعد طلبا کی ایک جماعت مطوّل پڑھتی تھی۔ مولنا باوجود اسکے کہ ابھی نابالغ بچّے تھے، لیکن مطوّل کے مطالب اچھی طرح انکی سمجھ میں آتے تھے۔ آخر اسی جماعت کے ساتھ یہ بھی شریک ہو گئے اور مطوّل کو بھی پڑھ لیا۔

علمِ معانی و بیان پڑھنے کے بعد سمرقند کی طرف جو اُسوقت علما و فضلا کا مجمع تھا تکمیلِ علوم کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچکر خواجہ علی سمرقندی سے جو کہ علامہ سیّد شریف جرجانی کے شاگردِ رشید اور نامور محقق تھے علومِ عقلیہ پڑھے۔

مولنا فرماتے تھے کہ خواجہ علی سمرقندی کی قوّتِ مطالعہ بے مثل ہے لیکن اُن کے پاس جو کچھ سرمایۂ علم ہے وہ صرف چالیس دن میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اُن کے بعد مولانا شہاب الدین محمدؒ سے پڑھنا شروع کیا جو کہ علامہ تفتازانی کے ممتاز شاگرد اور مشہور مُباحث تھے۔ چند روز تک اُن کے پاس جاتے رہے لیکن کہتے ہیں کہ اِس تمام زمانے میں ہم نے جتنی باتیں اُنسے سُنیں اُن میں سے صرف دو باتیں کار آمد تھیں۔ ایک تو یہ کہ ایکدن تلویح کی عبارت پر وہ مولانا زادہ کے اعتراضات کا جواب دینے لگے۔ اسکے لیے اُنھوں نے دو تین مقدمات بیان کیے۔ ہم نے سبکو باطل کر دیا۔ دوبارہ نہایت سوچ سمجھکر ایک ایسا جواب دیا کہ جو ہر پہلو سے معقول تھا۔ دوسرے یہ کہ علمِ معانی کے ایک مسئلہ کی اُنھوں نے ایکدن نہایت اچھّی توضیح کی اور بس۔

قاضی روم ایک بہت بڑے محقق صاحب درس مشاہیرِ سمرقند میں سے تھے۔ فنِ ہیأت میں انکو خاص کمال تھا۔ مولانا اُنکی خدمت میں شرحِ تذکرہ پڑھنے کیلیے حاضر ہوئے۔ پہلی ہی ملاقات میں کسی مسئلہ کے متعلق قاضی موصوف سے بحث ہو گئی۔ اور اِس بحث نے طُول کھینچا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی کو مولانا کا قول تسلیم کرنا پڑا۔

قاضی روم نے شرحِ تذکرہ پر ایک حاشیہ لکھ رکھا تھا اُسی سے وہ لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ مولانا کو بھی پڑھانا شروع کیا۔ لیکن مولانا ایک ایک بات کی چھان بین کرتے تھے۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اِس مُسلّم حاشیہ پر قاضی صاحب کو ہر روز ایک دو جگہ اِصلاح کرنی پڑتی تھی۔ قاضی مذکور اِس سے مولانا کے

بہت ممنون ہوتے تھے - اور ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ جب سے سمرقند آباد ہوا ہے - کوئی ایسا ذہین اور طباع آدمی آجتک دریائے آموں کے اِس پار نہیں آیا -

مولنا علی قوشجی جو فنِ ہیأت میں بڑے کامل و مشہور مصنف گذرے ہیں - اُن کے حلقۂ درس میں بھی مولنا پڑھنے کیلئے گئے - کچھ روز کے بعد یہ کیفیت ہوئی کہ خود علامہ قوشجی اپنی تمام مشکلات اُن سے حل کرنے لگے - اُن کا قول تھا کہ جامیؒ کو دیکھکر مجھے یقین آیا کہ بعض نفوسِ قدسیہ بھی اِس عالم میں موجود ہیں -

ان کے درس میں طلبا جسقدر اعتراضات کرتے تھے سبکا جواب مولنا جامیؒ خود دیتے تھے - اور روزانہ اپنی طرف سے دو ایک ایسے اعتراضات پیش کر دیتے تھے جسکا جواب اور کسی سے بھی بن نہیں پڑتا تھا -

مولنا معین طوطی کہتے ہیں کہ :-

"مولنا جامیؒ جسکے پاس پڑھنے کے لیے گئے ہر ایک بحث میں اُس پر غالب رہے - اُن کے اُوپر در اصل کسیکا بھی حقِ اُستادی قائم نہیں ہو - صرف وہ اپنے باپ کے شاگرد ہیں جن سے اُنھوں نے زبان سیکھی - درحقیقت ایسے شخص کو جسکے قوائے عقلی و ذہنی فطرتاً اسقدر زبردست ہوں بجز اُن چند سماعی مسائل کے جنکو بلا اُستاد سے پڑھے چارہ نہیں علوم عقلیہ میں کسی سے کچھ سیکھنے کی حاجت بھی نہیں "

مولنا کی طالب علمی کا زمانہ نہایت فارغ البالی سے گذرا - اُن کے اندر

ابتدا ہی سے قدرتی طور پر خودداری کا مادّہ تھا وہ کہتے تھے کہ ہم نے کبھی اپنے
نفس پر ذلت گوارا نہیں کی۔ ہرات اور سمرقند کے اکثر علمار و فضلار قاضی روم
اور خواجہ علی سمرقندی کی سواری کے ساتھ پیادہ پا دوڑا کرتے تھے۔ لیکن ہم اسکو
سخت ناپسند کرتے تھے۔

تصوّف

مولنا کے والد مولنا نظام الدین احمد صاحبدل اور درویش منش آدمی تھے
ان کی وجہ سے اکثر فقرار اور بزرگانِ طریقت کی خدمت میں بچپن ہی سے
اُن کو نیاز حاصل کرنیکا موقع ملا۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ جو اکابر صوفیہ میں سے گذرے ہیں ۸۲۲ھ
میں ہرات میں تشریف لائے تھے۔ اُسوقت مولنا کی عمر تقریباً پانچ سال
کی تھی۔ اِن کے والد اپنے احباب کی جماعت کے ساتھ اُن کی زیارت کو گئے
ایک خادم کے کندھے پر چڑھاکر مولنا کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ خواجہ نے اِن کو
اپنے سامنے بٹھالیا اور بہت التفات فرمایا۔ چلتے وقت سیر بھر مصری عطا کی
مولنا نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ ساٹھ سال گذر گئے لیکن خواجہ کی نورانی
شکل ابتک میری نگاہوں میں ہے۔ اور اُن کے دیدار پاک کی لذت
آج بھی میرے دل میں تازہ ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ یہ اُنھیں کی نظرِ فیض کا اثر
ہو کہ مجھے خواجگانِ نقشبند کے ساتھ عقیدت و ارادت حاصل ہوئی۔

بہ ان کے علاوہ مولانا فخرالدین لورستانی - خواجہ برہان الدین ابونصر پارسا

حضرت شیخ بہاءالدین عمر قدس سرہم کی بھی آنکھیں انھوں نے دیکھی تھیں۔

خواجہ شمس الدین محمد کوسوی جو نہایت مشہور واعظ تھے اور توحید میں کمال استغراق رکھتے تھے انکی مجلس میں بھی مولانا شرف الدین علی یزدی کی ہمراہ جایا کرتے تھے۔ اور معارف وحقائق سنتے تھے۔

مولانا جلال الدین ابویزید پورانی کی محفلوں میں بھی شریک ہوتے تھے تحصیل علم کے بعد سمرقند سے جب ہرات واپس آئے تو معرفت باطنی کا شوق پیدا ہوا۔ خواجہ سعد الدین کاشغری کے جو خواجہ بہاءالدین نقشبند قدس سرہ کے خلفا میں سے تھے مرید ہوگئے اور ریاضت شروع کی۔

سالہا سال تک سکوت کیساتھ مجاہدۂ باطنی میں مصروف رہے۔ اسقدر خاموشی کی مشق کی کہ بولنے کی مشق جاتی رہی۔ چنانچہ مدت کے بعد جب محفلوں میں شریک ہونے لگے تو ابتدا میں گفتگو کے لیے اکثر الفاظ تلاش کرنے میں انکو دقت ہوتی تھی۔

خواجہ سعد الدین انکی قابلیت پر شیفتہ تھے۔ ہرات کی جامع مسجد کے نیچے کبھی کبھی جب وہ اپنے احباب کیساتھ بعد نماز کے بیٹھ جاتے، اور مولانا جامی اُدھر سے گذرتے تو فرماتے کہ اللہ تعالےٰ نے اس نوجوان کو ہمارے پاس بھیجکر ہمارے اوپر بڑا بھاری احسان کیاہے۔ ہمارے جال میں شہباز پھنسا ہے۔

ل مولانا شہاب الدین محمد کہا کرتے تھے کہ پانسو سال میں ایک مرد

صاحب کمال خراسان کی خاک سے پیدا ہوا اُسکو مولنا سعد الدین نے لوٹ لیا
مولنا عبد الرحیم کاشغری جو بڑے عالم اور مشہور مقرر تھے کہتے ہیں کہ جبتک
مولنا جامیؒ علوم رسمی کا مطالعہ چھوڑکر تحصیل معرفت میں نہیں مشغول ہوئے اُسوقت
تک مجھے یقین نہیں آیا کہ علوم ظاہری سے بھی بڑھکر کوئی شئے ہے۔

مولنا ایک مدت تک خواجہ کاشغری کی خدمت میں ریاضت کرتے رہے
یہانتک کہ ایک قوی کیفیت اُنپر طاری ہوگئی۔ ایک دفعہ تو غلبۂ کیفیت میں بے اختیار
کعبہ کو روانہ ہوگئے تھے۔ مقام کوسُو میں پہونچکر جب جذبہ فرو ہوا تو اُلٹے قدموں
وہاں سے پیر کی خدمت میں واپس آئے۔

سنہ ۸۶۲ھ میں خواجہ سعد الدین نے انتقال فرمایا۔ مولنا نے اِن کا پُر درد
مرثیہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہیں ؎

دردا کہ پاکبازِ جہاں از جہاں برفت	پاک آنچناں کہ آمدہ بود آنچناں برفت
جانش کہ شاہبازِ معارف شکار بود	آوازِ طبلِ شاہ شنید و رواں برفت
کو آں سخن ز شیوۂ توحید راندنش	بر طالباں جواہرِ عرفاں فشاندنش
کو بُردنش بہ نسبتِ معنی مرید را	وز تنگنائے عالمِ ہستی رہاندنش
ہر بامداد بر درِ خلوت سرائے او	اصحاب صف زدہ ہمہ بہر لقائے او
ہر یک بجائے خود متمکن نشستہ اند	یارب چہ حال شد کہ تہی ماند جائے او

آخر میں خواجہ عبید اللہ احرار متوفی سنہ ۸۹۶ھ کا شرف صحبت حاصل ہوا

انھیں کے فیضان سے کامل و مکمل ہوئے۔ یوسف زلیخا میں ان کی بہت مدح کی ہے۔ اُسی میں سے ایک شعر یہ ہے۔

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد ٭ بہ تدبیر عبید اللٰہی آمد

خواجہ احرار سے چار بار ملاقات ہوئی۔ پہلی بار سمرقند میں نیاز حاصل ہوا۔ دوسری بار خواجہ خود ہرات میں تشریف لائے تھے۔ تیسری بار سلطان ابو سعید نے مرو میں اُنکو بلایا تھا۔ مولنا وہیں جاکر ملے۔ چوتھی مرتبہ جب سلطان ابو سعید کے دونوں بیٹوں عمر شیخ مرزا اور سلطان احمد مرزا میں لڑائی ہوئی تو خواجہ دونوں میں صلح کرانے کے لیے سمرقند میں بلائے گئے۔ مولنا نے بھی وہیں جاکر قدمبوسی حاصل کی۔ اور تین دن تک خدمت میں رہے۔ بعد ازاں خواجہ ترکستان کیطرف تشریف لیگئے اور مولنا کو مع تمام اصحاب و احباب کے فاراب کی طرف روانہ کیا۔ جب سلاطین میں صلح ہوگئی تو تاشقند میں تشریف فرما ہوئے فاراب سے مولنا کو بھی بلالیا۔ چند روز تک وہاں مجلس گرم رہی۔

مولنا کہتے ہیں کہ ایکدن میں نے خواجہ سے کہا کہ فتوحات مکیہ کے بعض مقامات ایسے ہیں جو مطالعہ اور غور و فکر سے حل نہیں ہو سکتے۔ خواجہ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ۔ میں نے کتاب لاکر وہ مقامات دکھلائے جو میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ اُنھوں نے اُنپر ایک نظر ڈالی۔ اُسکے بعد کھڑے ہوکر ایک تقریر بطور تمہید کے بیان کی۔ پھر فرمایا کہ اب کتاب کو دیکھو۔ مولنا کہتے ہیں

کہ اس تقریر کے بعد وہ سب مقامات سمجھ میں آگئے۔ اور تمام مشکلات حل ہوگئیں
پندرہ دن تک اُن کی خدمت میں رہے۔ ۸۔ جمادی الاول ۸۶۴ھ کو وطن
کی واپسی کی اجازت ملی۔

خواجہ احرار مولنا کے اسقدر گرویدہ تھے کہ اپنے مریدوں کو انھیں کے
پاس بھیجدیا کرتے تھے۔ جو لوگ خراسان سے ماوراءالنہر میں اُن کی خدمت میں
جاتے تھے اُن سے کہتے تھے کہ "مولنا جامی جب وہاں موجود ہیں تو تم لوگ
یہاں آنے کی کیوں تکلیف اُٹھاتے ہو عجیب بات ہو کہ دریائے نور تو خراسان
میں موجیں مار رہا ہے، اور لوگ چراغ کی روشنی حاصل کرنے کے لیے یہاں
دوڑے چلے آتے ہیں"

مولنا کو خواجگانِ نقشبندیہ کے ساتھ بہی شغف تھا۔ اسی وجہ سے وہ اور
کسی سلسلے میں داخل نہیں ہوئے۔ اس سلسلے کے سرگروہ خواجہ بہاءالدین
نقشبند بخاری کی کس جوش کے ساتھ تعریف کرتے ہیں ؎

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند — نوبتِ آخر بہ بخارا زدند
از خطِ آں سکہ نشد بہرہ مند — جز دلِ بے نقشِ شہِ نقشبند
اوّلِ او آخرِ ہر منتہی — آخرِ او جیبِ تمنّا تہی

اس سلسلے کے لوازمات میں سے یہ بات ہو کہ ظاہر شریعت سے ایک جگہ
بھی تجاوز نہو۔ اسلیے مولنا باوجود اسکے کہ سلوک کے تمام مراتب طی کرچکے تھے

محفلِ عام میں کبھی صوفیانہ اسرار زبان پر نہیں لاتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ ایک متقدین عالم اور واعظ کے لباس میں اپنی درویشی کو مخفی رکھتے تھے اور لوگوں کو شریعت کی تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ ہاں خلوت میں یارانِ طریقت کے حلقے میں سے عرفاں کا دَور بھی چلتا تھا۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب منبر میکنند | چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

علامہ ابنِ عربی اور شیخ احمد جام[۱] وغیرہ کی طرح وہ بھی اگرچہ سے وحدت

---

[۱] احمد جام ژندہ پیل حضرت عبد اللہ بن جریرؓ کی اولاد میں ہیں جنکو حضرت عمرؓ اس امت کا یوسف کہا کرتے تھے۔ ان کی ولادت ۴۴۱ھ میں جام کے قریب ایک گانوں نامق میں ہوئی مشہور ہے کہ اُمّی تھے۔ لیکن ۲۲ سال کی عمر میں علم لدنّی حاصل ہو گیا۔ توحید و معرفت و اسرار میں کتابیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکو ۴۲ بیٹے عطا فرمائے تھے۔ اِن کے بیٹے شیخ ظہیر الدین اپنی کتاب رموز الحقائق میں لکھتے ہیں کہ میرے باپ کے ہاتھ پر کم و بیش چھ لاکھ کافر اسلام لائے ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔ انکی یہ غزل بہت مشہور ہے

منزلِ عشق از مکانِ دیگر است | مرد معنی را نشانِ دیگر است

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

عشق را در مدرسہ تعلیم نیست | کانچناں علم از بیانِ دیگر است

دل خور و زخم و ز دیدہ خوں چکیدہ | ایں چنیں زخم از کمانِ دیگر است

احمدا تا گم نہ گردی ہوشدار
کیں جرس را کاروانِ دیگر است

کے ستواسے ہیں لیکن اِن کے کلام میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو ادب کے خلاف ہو یا جیسے اربابِ شرع کو کوئی اعتراض ہو سکے۔ بخلاف ان لوگوں کے کلام کے کہ اُسکو دیکھکر ظاہر بیں چونکتے ہیں۔ مثلاً احمد جام کہتے ہیں سہ

پیرِ ما در کوئے آن دلدار شد | از خدا و مصطفیٰ بیزار شد
من ہم زمینم ہم سما۔ من باتو ہستم حملہ جا | من مصطفیٰ را ہم خدا من احمدِ دیرینہ ام

خواجہ سعد الدین کے انتقال کے بعد باوجود اسکے کہ اُن کے بڑے بیٹے خواجہ کلاں بہت کامل درویش تھے لیکن خلافت مولٰنا ہی کو ملی۔ اور یہی سجّادہ نشین قرار پائے۔ ابتدا ابتدا میں بہت کم لوگوں کو مُرید کرتے تھے لیکن آخر عمر میں فیضان کا دروازہ کھول دیا تھا۔ دولت شاہ سمرقندی جو انھیں کا ہم عصر ہے اپنے تذکرۂ شعرا میں لکھتا ہے کہ:۔

"دُنیا کی چاروں سمت سے لوگ جُوق کے جُوق مولٰنا سے فیض حاصل کرنے کے لئے چلے آتے ہیں اور اطرافِ عالم کے سلاطین اُن کی دعا و ہمت کے آرزومند رہتے ہیں"۔

صوفیوں کے تذکروں میں اور خاصکر رشحات میں مولٰنا کی بہت سی کرامتیں بھی لکھی ہیں۔ مگر میرے نزدیک انسان کی بڑی کرامت یہی ہے کہ وہ انسان ہو اور بنی نوع انسان کو اُس سے فائدہ پہونچے۔ مولٰنا ایک کامل انسان تھے اور ہزارہا مخلوق کو اُن کی ذات سے نفع پہونچا۔

عشق

تصوّف اور حُسن میں قدیمی آشنائی ہے۔ جسقدر صوفیہ کرام گذرے ہیں سب کا نام عشاق کی فہرست میں مندرج ہے۔ اِن میں شاید ہی کوئی ایسا ملے جو چاشنیِ عشق سے ذوق آشنا نہ رہا ہو۔ مولنا کس جوش کیساتھ عشق کی تعریف کرتے ہیں؂

اسیرِ عشق شو کاندیشہ این ست | ہمہ صاحبدلاں را پیشہ این ست
اسیرِ عشق شو کازاد باشی | غمش بر سینہ نہ تا شاد باشی

۷ اِسکی وجہ یہ ہے کہ تصوّف بجائے خود عشق ہے لیکن وہ عشق نہیں جسکو بُوالہوسی یا نظر بازی کہتے ہیں۔ بلکہ اصلی عشق جسمیں انسان جمالِ حقیقی کی شمع کا پروانہ ہوکر اپنی ہستی کو جلاکر خاک کردیتا ہے۔ مگر چونکہ اِس عشق کا درجہ بلند ہے۔ اوّل ہی اوّل وہانتک پہونچنا مشکل ہے، اِسلئے عشقِ مجازی کو زینہ قرار دیکر اُسکے ذریعے سے عشقِ حقیقی کے بام پر چڑھتے ہیں۔ مولنا ایک حکایت لکھتے ہیں؂

شنیدم شد مُریدے پیشِ پیرے | کہ باشد در سلوکش دستگیرے
بگفت ار پا ننشد در عشقت از جائے | برو عاشق شو آنگہ پیشِ من آئے
کہ بے جامِ مئے صُورت کشیدن | نیاری جرعۂ معنی چشیدن

(یعنی ایک شخص ایک پیر کے پاس مُرید ہونیکیلئے گیا۔ پیر نے کہا کہ تو اگر کہیں عاشق نہیں ہوا ہے تو جا پہلے عشق کر پھر میرے پاس آ۔ کیونکہ بلا عشق مجازی کئے ہوئے حقیقی عشق نہیں حاصل ہوسکتا)

مگر مشکل یہ ہے کہ عشق اختیاری امر نہیں ہے۔ زبردستی سے کوئی کیونکر کسی پر عاشق ہو جائے۔ آدمی کا دل خود اُسکے اختیار میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جدھر چاہتا ہے اُدھر پھیر دیتا ہے۔ اِسلئے یہ بات ٹھیک نہیں ہو سکتی کہ صوفی عشقِ مجازی اِسلئے کرتا ہے کہ اُسکے ذریعے سے عشقِ حقیقی تک پہونچے۔ بلکہ اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ صوفیوں کا مذہب عشق ہے، اور وہ حسنِ باطنی کے فدائی ہوتے ہیں اِسلئے حُسنِ ظاہری کے ذرّہ میں بھی اُسی آفتاب کی جھلک اُنکو نظر آتی ہے، اور وہ اُسکو دیکھکر محو اور بیخود ہو جاتے ہیں ؎

اگر صورتِ خوب را انگیزند در وسرِّ صُنعِ خدا انگیزند

یہاں ایک دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مستِ عرفاں کو جو حُسنِ حقیقی کے عشق میں محو ہے ہر شے میں حق ہی حق نظر آتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اچھی صورت دیکھکر بیخود ہوتا ہے اور بُری صورت دیکھکر نہیں۔ اُسکو تو کنعانی اور حبشی دونوں میں وہی ایک جلوہ نظر آنا چاہیئے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شیخ اوحدالدین کرمانی کی امرد پرستی کا جب زیادہ چرچا پھیلا تو اُنھوں نے کہا کہ میں آئینہ میں چاند دیکھتا ہوں اور یہ رباعی لکھی ؎

یارب تو شناسی کہ ببیگاہ و بگاہ جز در رُخِ خوب تو نکردیم نگاہ
خوبانِ جہاں آئینۂ حُسنِ تواند در آئینہ دیدیم رُخِ حضرتِ شاہ

مولانا شمس تبریزی نے جب یہ رباعی سُنی تو فرمایا کہ یہ قول اُس شخص کا ہی جسکی گردن میں دنبل ہے کہ وہ اُسکو اُوپر نہیں اُٹھا سکتا۔ چاند خود آسمان پر نکلا ہوا ہی اُسکو آئینہ میں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بھلا وہ کونسا ذرّہ ہے جس میں حسبِ حیثیت ظہورِ حق کا جلوہ نہیں ہے پھر اچھی صورت ہی پر کیا منحصر ہے شیخ سعدی نے کہا ہی ؎

محقق ہماں بیند اندر ابل ۔۔۔ کہ در خوبرویانِ چین و چگل

(حقیقت بیں کو اُونٹ میں بھی وہی جلوہ نظر آتا ہی جو چین و چگل کے معشوقوں میں)

شیخ کا یہ قول بالکل ٹھیک ہے۔ کاملین کے عشق کی یہی کیفیت رہی ہے لیکن تمام طبیعتیں یکساں نہیں ہوتیں۔ صوفیوں کی جماعت میں بعض ایسے لوگ داخل ہوگئے جن کی وجہ سے یہ جماعت بدنام ہوگئی۔ یہاں تک کہ ایک شاعر نے اس فرقے کی عشق بازی کا اسطرح مذاق اُڑایا ہے ؎

گروہے نشینند با خوش پسر ۔۔۔ کہ ما پاکبازیم و اہلِ نظر

زمن پُرس فرسودۂ روزگار ۔۔۔ کہ بر سفرہ حسرت خورد روزہ دار

(یعنی لوگ خوبصورت لونڈے کو لیکر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پاکباز اور اہلِ نظر ہیں مجھسے پُوچھو کہ میں زمانیکا تجربہ اُٹھا چکا ہوں اُنکا وہی حال ہی کہ جیسے روزہ دار دسترخوان پر بیٹھ کر حسرت کھاتا ہے)

مولانا جامی بھی عشق کے جذبہ میں سرمست ہیں وہ خود کہتے ہیں ؎

بحمد اللہ کہ تا بودم دریں دیر ۔۔۔ براہِ عاشقی بودم سبک سیر

اگرچہ مُوی من اکنوں چو شیر است ہنوزم ذوقِ عشقم درضمیر است

(یعنی میں جب سے دُنیا میں ہوں عشقبازی میرا شیوہ ہے۔ اگرچہ اب میرے بال بالکل سفید ہوگئے ہیں مگر عشق کا ذوق دل میں اب تک بھی باقی ہے)

لیکن اُنکا عشق عشقِ حقیقی تھا۔ ظاہری حُسن پرستی سے وہ سخت بیزار تھے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ایناں زکجا و عشق بازی زکجا ہندو زکجا زبانِ تازی زکجا
چوں اہلِ حقیقت سخنِ عشق کنند بیہودۂ ایں قوم مجازی زکجا

(یعنی کہاں یہ لوگ اور کہاں عشق بازی۔ کہاں ہندو اور کہاں عربی زبان جب اہلِ حقیقت عشق کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہاں عاشقانِ مجازی کی بیہودگی کا کیا ذکر!)

مگر حُسنِ حقیقی کے مظاہر یعنی حسینوں سے اِن کی طبیعت کو ایک لگاوٹ تھی۔ اور کچھ شاعرانہ چھیڑ چھاڑ اُن کے ساتھ چلی جاتی تھی۔

سُلطان ابوسعید کا ملازم خاص ایک پری پیکر تُرک مرزا علی جان نامی تھا۔ ۱۲۔۱۴ سال کا سن اور چہرہ جیسے چودھویں رات کا چاند۔ مولانا نے اُسکے متعلق ایک غزل لکھی جسکے دو شعر یہ ہیں ؎

گر بنالم ز دلِ خارہ بر آید نالہ ور بگریم ز گلِ تیرہ بروید لالہ
چاردہ سالہ بتے پنجۂ جامی بر تافت کرد بیروں ز کفش حاصلِ پنجہ سالہ

علی جان کے کانوں میں سونے کے بُندے پڑے رہتے تھے۔ اسیر جب وہ

بانکپن کیساتھ ترکانہ تاج لگا کر نکلتا تھا تو تماشائیوں کی آنکھیں فرشِ راہ ہو جاتی تھیں۔ مولانا کہتے ہیں ؎

آنکہ از حلقۂ زر گوش گرانست اورا | چہ غم از نالۂ خونیں جگرانست اورا
گو کلہ بر شکن از ناز کہ در مسندِ حسن | منصبِ شاہیِ زرّیں کمرانست اورا

پندِ تلخ پدراں در دلِ جامیؔ نگرفت
زانکہ دل در کفِ شیریں پسرانست اورا

کچھ زمانے کے بعد اتفاقاً خود علی جان کسی حسین کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ کوبکو اُسکے عشق کا چرچا پھیلا۔ مولانا نے جب سُنا تو فرمایا ؎

شنیدہ ام کہ بگل چہرۂ نظر داری | ز شوقِ لالہ رُخے داغ بر جگر داری
مکن۔ مکن کہ ز خیلِ پری وشاں ہر سُو | ہزار عاشقِ دیوانہ بیشتر داری
چو روی خویش در آئینہ میتوانی دید | چرا نظر بجمالِ کسے دگر داری

بابر میرزا کے زمانے میں بدخشاں کے رہنے والے ایک شخص مولٰنا شہاب ہرات میں مقیم تھے۔ اُنکا بیٹا عطاء اللہ بہت خوبصورت تھا۔ قد معتدل۔ چہرہ نمکیں۔ لب کے گوشہ اور رُخسار پر سیاہ تل۔ مولٰنا نے اُسپر کئی غزلیں کہی ہیں۔ جب اُسکا باپ اُسکو بدخشاں لیجانے لگا تو یہ غزل کہی ؎

بازم نہ دیدہ اے گُلِ خنداں چہ میروی | چاکم چو گُل فگندہ بداماں چہ میروی
از اشکِ سرخ دیدۂ ما کانِ لعل شد | اے سنگدل تو سوی بدخشاں چہ میروی

ایک دفعہ کوئی شخص بدخشاں کو جا رہا تھا۔ اُسکے ہاتھ یہ رُباعی عطاراللہ کے نام بھیجی ؎

اے باد اگر بسوی بدخشاں گذری | زنہار بر آں ماہ درخشاں گذری
گوئی چہ شود گر چہ خور آسا آساں | یکبار دگر بسوئے خراساں گذری

مرزا بابر کا ایک غلام شیخ عمر نامی نہایت ملیح اور دلفریب تھا۔ بابر بھی اُسکو بہت عزیز رکھتا تھا۔ مولٰنا اُسکی بابت کہتے ہیں۔

زہے مہراز رخت شرمندہ ہم نیز | زخیلِ عشق سلطان و سپہ نیز
ز دستِ عشقِ تو داد از کہ خواہم | کہ دارد داغ عشقت پادشہ نیز

شمس الدین نامی ایک تبریزی نوجوان مولٰنا کی خدمت میں ستا کا ایک رسالہ پڑھا کرتا تھا۔ خوبصورت اسقدر کہ اُسکے چمکیلے رُخساروں میں اُس کی زلفوں کی جھلک نمایاں ہوتی تھی۔ اُسپر غزل کہی ؎

خطت فتنہ است و لبہا فتنہ انگیز | دلم زاں فتنہ خون و دیدہ خوں ریز
چو مولٰنا[۱] ست جامی مستِ عشقت | تو با رُخسارِ رخشاں شمس تبریز

شاہرخ مرزا کے زمانے میں ایک امیرزادہ ملک محمد نامی بہت خوبصورت اور حسین تھا۔ مغلئی تاج سر پر رکھے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوکر بڑی آن بان سے نکلا کرتا تھا۔ مولٰنا نے اُسکی شان میں کئی غزلیں کہی ہیں

[۱] مولٰنا رُوم اپنے مُرشد شمس تبریز پر جان و دل سے عاشق اور فریفتہ تھے۔

اُن ہی میں سے یہ ہے ؎

آں کیست سوارہ کہ بلائے دل و دین ست | صد خانہ بر انداختہ و رخانۂ زین ست
آشوب جہانست اگر اسپ سوار ست | آسایش جانست اگر بزم نشین ست
ماہیست درخشندہ چو بر پشت سمند ست | سرویست خرامندہ چو بر روئے زمین ست

لطیفہ۔ ملک محمد مولنا کے یہاں بہت کم آتا تھا۔ کچھ روز کے بعد اُس کی شکل اسقدر خراب ہوگئی کہ دیکھنے سے نفرت معلوم ہوتی تھی۔ اب وہ ہر وقت اُنکی محفل میں حاضر رہنے لگا۔ مولنا اُسکی شکل کو دیکھکر۔ اور اُن غزلوں کا خیال کر کے جو اُسکی تعریف میں لکھی تھیں، بہت شرماتے تھے۔ ایکدن خرجرد کے قاضی مولنا سے ملنے آئے۔ اس کر یہ منظر کو دیکھکر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ مولنا نے فرمایا کہ یہ وہ صاحب ہیں کہ کبھی ہم انکی بے التفاتی سے تنگ تھے اور اب ان کے التفات سے تنگ ہیں۔

مولنا کی آخری عمر میں خواجہ خواندہ ایک طرحدار خوش رُو اور سبزہ آغاز نوجوان انکی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ مولنا نے اُن کی شان میں یہ غزل کہی ؎

بر گل از سبزہ خطے غالیہ بوئے داری | چشمِ بد دور کہ آراستہ روئے داری

لطائف وظرائف

ظرافت طبع بھی ایک خداداد جوہر اور نعمت الٰہی ہے بشرطیکہ اسکا استعمال اعتدال کیساتھ ہو۔ بہتسے اہم مواقع زندگی میں ایسے پیش آتے ہیں کہ جہاں بہ نسبت متانت کے ظرافت سے زیادہ آسانی کیساتھ کام نکل جاتا ہے۔ علاوہ بریں ہر وقت کی سنجیدگی طبیعت پر بوجھ ہوجاتی ہے۔

اکثر بڑے بڑے لوگوں میں یہ مادہ رہا ہے، لیکن وہ لوگوں کا دل اپنی طرف کھینچنے اور رشتہ محبت کو قوی کرنیکے لئے اسکو استعمال کرتے تھے، نہ کہ محفل کے ہنسانے کے لیے۔ کیونکہ یہ دنائت ہے۔ انسان اس سے مسخرہ شمار کیا جانے لگتا ہے، اور لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہوجاتا ہے۔

مولنا کی طبیعت میں بھی ظرافت تھی۔ اگرچہ وہ لفظی رعایتوں کے اسقدر دلدادہ ہیں کہ اُن کے لطیفوں کا زیادہ حصّہ الفاظ ہی پر مبنی ہے۔ لیکن اُس زمانے کا عام مذاق یہی تھا۔

سلطان ابوسعید کے زمانے میں مولنا شیخ حسین کی بڑی عزت تھی سلطان ابوسعید کہا کرتا تھا کہ "مولنا شریک الملک سنت"۔ ایکدن شیخ موصوف نے ایک کافر کو مسلمان کیا۔ اسقدر خوش ہوے کہ اپنے کپڑے اُتار کر اُسکو پہنائے

اور اپنی دستار اُسکے سر پر رکھی۔ مولنٰنا کی مجلس میں بھی کسی نے ذکر کیا کہ شیخ حسین نے
آج ایک کافر کو مسلمان کیا اور اُسکے سر پر اپنی دستار رکھی۔ مولنٰنا نے کہا کہ
یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آج ساٹھ برس سے شیخ حسین اپنی دستار کافر
کے سر پر رکھتا ہے۔

سمرقند کے ایک فقیہہ جنکا نام مولنٰنا مزید تھا۔ ہرات میں تشریف لائے
اور میرزا بابر کے یہاں مہمان ہوئے۔ اتفاقاً ایکدن مولنٰنا بھی دربار میں تشریف
لے گئے۔ بابر نے فقیہہ موصوف سے سوال کیا کہ یزید پر لعنت کرنی درست ہے یا نہیں
فقیہہ نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اسلئے کہ وہ اہلِ قبلہ سے تھا۔ نہ صرف اہل قبلہ سے بلکہ
بجز دو ایک کے تمام صحابہ اور تابعین نے اُسکو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تسلیم کیا تھا۔
مرزا بابر نے مولنٰنا کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ انھوں
نے کہا کہ صد لعن بر یزید و صد لعن دیگر بر مزید

پیر زین الدین خوافی کے خلفاء میں سے ایک شخص شیخ صدر الدین نامی
ایکدن مرزا بابر کے دربار میں فرمانے لگے کہ ممکن ہے کہ نصف رمضان تک
اس شہر میں کوئی وبا آئے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ممکن ہو کہ نہ آئے۔
شیخ نے کہا کہ امکانِ عقلی نہیں ہے۔ مولنٰنا نے فرمایا کہ امکانِ بے عقلی تو ہے۔

حافظ غیاث الدین محدث جو اُس زمانے کے مشاہیر علما میں سے تھے
ایکدفعہ بیمار ہوئے۔ مولنا اُنکی عیادت کو گئے۔ اُنھوں نے تصوّف کے حقائق
اور معارف بیان کرنے شروع کئے۔ لیکن چونکہ اس فن سے آشنا نہ تھے اس لئے
بعض مسائل اور اصطلاحات میں غلطی کی۔ مولنا چُپ چاپ سُنتے رہے۔ پھر اُٹھکر
چلے آئے۔ بعد ازاں اُن کے پاس جب اور لوگ عیادت کیواسطے گئے تو اُنھوں
نے کہا کہ آج عبدالرحمن جامی میرے پاس آئے تھے میں نے ایسے ایسے باریک از
تصوّف کے بیان کئے کہ اُنھوں نے کان پکڑ لئے۔ اُن لوگوں نے یہ مولنا سے
آکر بیان کیا۔ مولنا نے کہا کہ واقعی اُن کی باتیں ایسی تھیں جنکو سُنکر کان پکڑنا چاہئے تھا

ہرات کے شیخ الاسلام مولنا سیف الدین مولنا کے یہاں آئے معلوم
ہوا کہ وہ سلطان حسین کے کسی درباری کی دعوت میں گئے ہیں۔ شیخ الاسلام نے
کہا کہ مولنا جب درباریوں کی دعوت کھانے لگے تو ہم اُن سے ہاتھ دھو بیٹھے۔
لوگوں نے یہ فقرہ مولنا کو سُنایا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ جب سے مولنا سیف الدین
شیخ الاسلام ہوئے ہیں ہم اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

غور کے قاضی نہایت بدشکل۔ کریہ منظر اور سیاہ آدمی تھے۔ اُن کے
تمام بدن پر بال تھے کسی کام سے بہت عرصے تک ہرات میں رہ گئے۔ مولنا

کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ایکدن مولانا نے اُن سے کہا کہ اس شہر میں تم بہت دن سے ہو اپنے گھر کیوں نہیں جاتے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارے یہاں سُوَر بہت ہو گئے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جب سے تم یہاں آ گئے ہو اُسوقت سے کم ہو گئے ہیں۔

ایک مہمل گو شاعر نے ایکدن کہا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ خضر علیہ السّلام نے اپنے دہن کا لُعاب میرے مُنہ میں ٹپکایا ہے۔ مولانا نے کہا کہ تم نے غلط سمجھا وہ تمھارے مُنہ پر تھوکنا چاہتے تھے۔ اِتفاق سے تم نے مُنہ کھولدیا وہ اُسی میں جا پڑا۔

ایک شاعر نے کہا کہ میں نے دیوانِ حافظ۔ دیوان کمال۔ اور صدہا جناب اسیر کا جواب لکھا ہے۔ مولانا نے کہا کہ صرف قرآن شریف کا جواب اور باقی رہ گیا ہے۔

ایک شاعر نے اپنی غزل لاکر سُنائی اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اِسکو شہر کے دروازے پر لٹکادوں تاکہ تمام لوگوں میں اس کی شُہرت ہو جائے۔ مولانا نے کہا کہ لوگوں کو یہ کیونکر معلوم ہو گا کہ یہ تمھاری غزل ہے۔ مُناسب تو یہ ہے کہ تمکو بھی اِسکے ساتھ لٹکا دیں۔ تاکہ لوگ یہ غزل پڑھیں اور تم کو داد دیتے ہوئے چلے جائیں۔

ایک فضول گو شاعر حج کرکے واپس آئے۔ مولنا سے ملے۔ اپنا دیوان دکھلایا اور کہا کہ برکت کی غرض سے میں نے اِس دیوان کو حجرِ اسود پر خوب رگڑا ہے۔ مولنا نے کہا کہ بہتر ہوتا کہ آپ نہ زمزم سے بھی دھولیا ہوتا۔

شہر کے ایک شیخ زادے جو سخت بلید الطبع تھے، اور شاعری کا دعوے رکھتے تھے۔ ایکدن مولنا کے پاس آئے۔ اور کہا کہ میں نے آپکی اس غزل پر۔

بسکہ در جانِ فگار و چشمِ بیدارم توئی ہر کہ پیدا میشود از دور پندارم توئی

غزل لکھی ہے۔ چنانچہ وہ غزل سُنائی۔ پھر مولنا کے اِس مطلع پر اعتراض کیا اور کہا کہ "اگر گاوے یا خرے پیدا شود"۔ مولنا نے فرمایا کہ "پندارم توئی"۔[1]

سامغری ایک بلبول شاعر تھا۔ اُسے آتا جاتا تو کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن اپنے آپ کو خلّاقِ معانی سمجھتا تھا۔ مولنا کی خدمت میں بہت رہا کرتا تھا۔ ایکدن اُسنے مولنا سے کہا کہ جب میں کوئی اچھا شعر کہتا ہوں، یا عمدہ مضمون پیدا کرتا ہوں تو دُوسرے شعرا فوراً اُسکو چُرا لیتے ہیں۔ مولنا کو اُسکے جہلِ مرکب پر ہنسی آئی۔ اور یہ دو شعر لکھے ؎

---

[1] فارسی میں ہر کہ ذوی العقول کیلئے آتا ہے جیسے عربی میں مَن۔ اور ہر چہ غیر ذوی العقول کیلئے جیسے عربی میں ما۔ شیخ زادے نے یہ غلطی کی کہ ہر کہ کو ہر چہ کے معنی میں لیا۔

ساغری ہیگفت کہ دُزدانِ معانی بُردہ اند | ہر کجا در شعرِ من یک معنیٔ خوش دیدہ اند
دیدم اکثر شعر ہایش را یکی معنی نداشت | راست میگفت اوکہ معنیہاش را دُزدیدہ اند

(یعنی ساغری کہتا تھا کہ شعراء جہاں کہیں میرے اشعار میں کوئی اچھا معنی دیکھتے ہیں تو چُرا لیتے ہیں۔ میں نے اُسکے اکثر اشعار دیکھے حقیقت میں اُن میں کوئی معنی نہیں تھا۔ وُہ بیچارہ سچ کہتا تھا کہ لوگ اُسکے معانی چُرا لیتے ہیں)

یہ قطعہ ہرات کی گلی گلی میں مشہور ہوگیا۔ ساغری مولانا کے پاس شکایت لایا کہ یہ آپنے کیا لکھدیا۔ وہ قطعہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ جدھر سے گذرتا ہوں لوگ مجکو سُناتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ مولنا مُسکرائے اور فرمایا کہ بھائی میں نے تو "شاعری میگفت" لکھا تھا۔ لوگوں نے تمھارا مذاق اُڑانے کی غرض سے اُسکو ساغری کرلیا ہوگا۔ اب میں کیا کروں۔

سفرِ حج

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ مولنا غلبۂ شوق میں ایکدفعہ سفرِ حج کے ارادے سے چل پڑے تھے لیکن راستے ہی سے واپس آگئے۔

دوبارہ فقراء اور علماء کے ایک بڑے قافلے کے ساتھ ۱۶۔ ربیع الاول ۸۷۷ھ میں سفرِ حجاز کو روانہ ہوئے۔

لطیفہ۔ جب وہ سفر کی تیاری اور سامان کی فراہمی میں مصروف تھے تو

خراسان کے علماء اور زہاد کی ایک جماعت نے آکر عرض کیا کہ آپکی ذات سے یہاں ہزار ہا مخلوق کو نفع پہونچتا ہے۔ لوگ دور دور دراز سے فیض حاصل کرنے کیلئے خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ سلاطین آپکے مشورے سے کام کرتے ہیں جسکی وجہ سے مسلمانوں کو ہر قسم کا دینی اور دنیوی نفع آپکی بدولت حاصل ہے اسلئے آپ کا تشریف لیجانا مناسب نہیں۔ حاجتمندوں کی حاجت کو پورا کرنا پا پیادہ سفرِ حج کرنے سے بہتر ہے ؎

دل بدست آور کہ حجِ اکبرست　　　از ہزاراں کعبہ یکدل بہترست

مولانا نے کہا کہ پا پیادہ حج کرتے کرتے ہم تھک گئے۔ اب سواری پر حج کیلئے جانیکا ارادہ رکھتے ہیں۔

ہرات سے براہِ راست نیشاپور کو گئے۔ وہاں سے سبزوار، بسطام، دامغان، سمنان اور قزوین ہوتے ہوئے ہمدان پہونچے۔ ہمدان کے بادشاہ مرزا منوچہر نے کمال اخلاص و عقیدت کیساتھ مع وزراء و امراء کے کوسوں آگے آکر استقبال کیا۔ تمام قافلے کو اپنے یہاں مہمان رکھا۔ تین دن تک شاہانہ ضیافت کی۔ جب یہ قافلہ بغداد کو روانہ ہوا تو راستہ پرخطر ہونے کے باعث مرزا منوچہر خود ایک بھاری فوج لیکر مولانا کیساتھ چلا۔ بغداد کی سرحد تک حفاظت کیساتھ پہونچا کر واپس پھرا۔

ماہ جمادی الاخرے کے وسط میں بغداد پہونچے، جہاں عرصے سے

اُن کی آمد کا انتظار ہو رہا تھا۔

لطیفہ۔ مولانا کے ایک مُرید پیر جمال عراقی جو بغداد میں مرجع خاص و عام اور بہت بڑے صاحبِ کرامت تھے، اپنے مُریدوں کی جماعت کو ساتھ لے کر استقبال کے لیے آئے۔ اِس جماعت کا امتیازی شعار یہ تھا کہ سب کے سب شتری اُون کے خرقے پہنے ہوئے تھے۔ پیر جمال کی نظر جب مولانا پر پڑی تو کہا کہ "جمالِ الٰہی دیدم" (یعنی میں نے خدا کا جمال دیکھا) مولانا نے فرمایا "جمالِ الٰہی دیدم" (یعنی میں نے خدا کے اُونٹ دیکھے)

بغداد کے متبرک مقامات کی زیارت کر کے کربلا گئے۔ وہاں ایک غزل لکھی جسکا مطلع یہ ہے ؎

کرُوم زدیدہ پائے سُوئے مشہدِ حسینؑ ہست ایں سفر بمذہبِ عشّاق فرضِ عین

وہاں سے پھر بغداد کو واپس آئے۔

بغداد میں ایک عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ مولانا کا منشی فتحی سوادخاں جو بہت دِنوں سے آپ کی خدمت میں تھا، آستانہ ہی کے کسی دُوسرے خادم سے اُسکی لڑائی ہو پڑی۔ اور خوب مار پیٹ ہوئی۔ اُسنے خفا ہو کر قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور بغداد کے اہلِ تشیع سے، جو اُسکے ہم جنس تھے۔ جا ملا۔

وہاں اُسنے یہ کیا کہ مولانا کی کتاب سلسلۃ الذہب کے دفترِ اوّل میں جو امیر المومنین حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی حکایت لکھی ہے اسکا ابتدائی اور آخری

حصّہ حذف کرکے شیعوں کو دِکھلایا۔ اور اِسی جماعت کے کسی شخص سے اُس پر اور اشعار پڑھوائے۔ جنکو سُنکر بغداد کے تمام اہلِ تشیع مولانا کے مخالف ہو گئے۔ اور انھوں نے مناظرہ کرنے کا سامان کیا۔

مولانا نے بھی غلط فہمی کو رفع کرنیکے لیے مُناظرہ منظور کر لیا۔ چنانچہ ایکدن مقرر ہوا۔ اُسدن بہت بڑی مجلس ترتیب دی گئی۔ شہر کے تمام خواص و عوام جمع ہوئے۔ حنفی اور شافعی دونوں مذہب کے قاضی دائیں بائیں بیٹھے۔ خلیل بیگ والی بغداد بھی موجود تھا۔ مختلف مدرسونکے علماء اور طلباء کا بڑا ازدحام تھا۔

پہلے کتاب سلسلۃ الذہب لائی گئی۔ اُس میں سے وہ حکایت پڑھی گئی جسپر فریقِ مخالف کو اعتراض تھا۔ اہلِ مجلس جب حکایت کے پورے مضمون پر مطلع ہوئے تو انکو حیرت ہوئی کہ اسمیں کونسی بات اعتراض کی ہے۔ قاضیوں نے کہا کہ جس خوبی کے ساتھ اِن اشعار میں حضرت علی رضہ کی تعریف کی گئی ہے اتبک شاید ہی اہلِ سنت میں سے کسی نے اِسطرح کی انکی منقبت لکھی ہو۔

مولانا نے کہا کہ عجیب بات ہے۔ جب میں نے ہرات میں یہ نظم لکھی تو مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں اہلِ خراسان مجھے شیعہ نہ کہیں۔ یہاں یہ معاملہ ہے کہ اُلٹے اہلِ تشیع مجھسے لڑتے ہیں۔

اِسکے بعد قاضیوں نے شیعوں سے کہا کہ تم کو جو اعتراضات ہوں وہ پیش کرو۔ اِس جماعت کے سرغنہ مولانا نعمت حیدری جو نہایت مقرّر اور

زباں آور آدمی تھے، اور اُنکی مونچھیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ مولٰنا کے سامنے
بحث کرنے کے لیے آکر بیٹھے۔ مولٰنا نے اُن سے یہ سوال کیا کہ تم شریعت کی رُو
سے بحث کرنی چاہتے ہو، یا طریقت کی رُو سے، اُنھوں نے کہا کہ ہر دو طریق سے۔
مولٰنا نے فرمایا کہ تمھاری مونچھوں کے بال شرعی حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔
جبتک یہ دُرست نہ ہوجائیں، اُسوقت تک شریعت کی رُو سے تمھارے
ساتھ گفتگو کرنا حرام ہے۔

حاکم نے فوراً حکم دیا کہ مقراض لاؤ۔ لیکن بے صبر عوام النّاس نے اِتنا انتظار
بھی گوارا نہ کیا۔ ٹوٹ پڑے۔ اور اُنکی مونچھوں کے تمام بال اُکھاڑ لیے۔ جس سے
اُن میں بولنے اور بحث کرنے کی طاقت ہی باقی نہ رہی۔

اِسکے بعد جن لوگوں نے فتنہ پردازی سے مولٰنا کے برخلاف جوش پھیلایا
تھا، دراز گوش پر اُلٹے سوار کرا کے اُن کی تشہیر کی گئی۔ فتحی سواد خاں وہاں سے
بھاگ کر تبریز پہونچا۔ گھوڑے کو دانہ کھلا رہا تھا۔ توبڑے میں ہاتھ ڈالا۔ کہ دیکھے دم
کھاچکا ہے یا نہیں۔ گھوڑے نے دانت سے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ایک ایک اُنگلی کی
رگوں کے کھینچ لی۔ اِس زخم سے چند دنوں میں مرگیا۔ ہے۔ وہاں کی

اِسی چپقلش کی وجہ سے مولٰنا بغدادیوں سے ناراض سے لگتا ہے اور کہتا ہے۔
غزل میں فرماتے ہیں ؎

بگشائے ساقیا لب شط سر سبوئے | بر رخ آں مہ تاباں بودہ است
باز خم آمد شدِ آں سروِ خراماں بودہ است

مُحرم بلب نہ از قدح ... ر کو دِکھلایا۔ اور اِسی جماعت کے کسی شخص سے اُس پر اور
از باکساں وفا ... جنکو سُنکر بغداد کے تمام اہلِ تشیع مولانا کے مخالف ہوگئے۔ اور
مناظرہ کرنے کا سامان کیا۔

مولانا نے بھی غلط فہمی کو رفع کرنیکے لیے مناظرہ منظور کرلیا۔ چنانچہ ایکدن مقرر ہوا۔ اُسدن بہت بڑی مجلس ترتیب دی گئی۔ شہر کے تمام خواص و عوام جمع ہوئے حنفی اور شافعی دونوں مذہب کے قاضی دائیں بائیں بیٹھے خلیل بیگ والی بغداد بھی موجود تھا۔ مختلف مدرسوں کے علماء اور طلباء کا بڑا اژدحام تھا۔

پہلے کتاب سلسلۃ الذہب لائی گئی۔ اُس میں سے وہ حکایت پڑھی گئی جسپر فریقِ مخالف کو اعتراض تھا۔ اہلِ مجلس جب حکایت کے پورے مضمون پر مطلع ہوئے تو انکو حیرت ہوئی کہ اسمیں کونسی بات اعتراض کی ہے۔ قاضیوں نے کہا کہ جس خوبی کے ساتھ اِن اشعار میں حضرت علی رضہ کی تعریف کی گئی ہے اتبک شاید ہی اِس اُمّت میں سے کسی نے اِسطرح کی انکی منقبت لکھی ہو۔

مولانا نے کہا کہ عجیب بات ہے جب میں نے ہرات میں یہ نظم لکھی تو مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں اہلِ خراسان مجھے شیعہ نہ کہیں۔ یہاں یہ معاملہ ہے کہ اُلٹے اہلِ تشیع مجھسے لڑتے ہیں۔

اِسکے بعد قاضیوں نے شیعوں سے کہا کہ تم کو جو اعتراضات ہوں وہ پیش کرو۔ اِس جماعت کے سرغنہ مولانا نعمت حیدری جو نہایت مقرر اور

زباں آور آدمی تھے، اور اُنکی مُونچھیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ بات سے جو سوز و بحث کرنے کے لیے آکر بیٹھے۔ مولٰنا نے اُن سے یہ سوال کیا کہ تم شریعت سے بحث کرنی چاہتے ہو، یا طریقت کی رُو سے، اُنھوں نے کہا کہ ہر دو، مولٰنا نے فرمایا کہ تمھاری مُونچھوں کے بال شرعی حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جبتک یہ دُرست نہ ہو جائیں، اُسوقت تک شریعت کی رُو سے تمھارے ساتھ گفتگو کرنا حرام ہے۔

حاکم نے فوراً حکم دیا کہ مقراض لاؤ۔ لیکن بے صبر عوام النّاس نے اِتنا انتظار بھی گوارا نہ کیا۔ ٹوٹ پڑے۔ اور اُنکی مُونچھوں کے تمام بال اُکھاڑ لئے۔ جس سے اُن میں بولنے اور بحث کرنے کی طاقت ہی باقی نہ رہی۔

اِسکے بعد جن لوگوں نے فتنہ پردازی سے مولٰنا کے برخلاف جوش پھیلایا تھا، دراز گوش پر اُلٹے سوار کرا کے اُن کی تشہیر کی گئی۔ فتحی سواد خاں وہاں سے بھاگ کر تبریز پہونچا۔ گھوڑے کو دانہ کھلا رہا تھا۔ تو بڑے میں ہاتھ ڈالا۔ کہ دیکھوں دانہ کھا چکا ہے یا نہیں۔ گھوڑے نے دانت سے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ایک ایک اُنگلی کی رگوں کے کھینچ لی۔ اِس زخم سے چند دنوں میں مر گیا۔

اِسی چپقلش کی وجہ سے مولٰنا بغدادیوں سے ناراض سے لگتا ہے اور کہتا ہے۔ وہاں کی غزل میں فرماتے ہیں ؎

بکشائے ساقیا لب شط سر سبوئے
بر رُخ آں مہِ تاباں بودہ است
از نخچو آمدہ شد آں سروِ خراماں بودہ است

کیلئے آنکھیں منتظر اور دل بے تاب تھا - روضۂ اطہر کی زیارت سے جو سوز و گداز کی کیفیت اُن کے دل پر طاری ہوئی ہے اُسکا اندازہ کچھ ان اشعار سے ہو سکتا ہے۔

یا شفیعَ المذنبیں بارِ گناہ آوردہ ام | بر درت ایں بار با پشتِ دوتاہ آوردہ ام
چشمِ رحمت برکشا سوئے سفیدِ من نگر | گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام
عجز و بیخویشی و دلریشی و درویشی و درد | ایں ہمہ بر دعویِ عشقت گواہ آوردہ ام

یا رسول اللہ ... | یا فقیرِ طعمہ جو از ریزہ خوانِ توام
...ی گوارا ب افتادہ زباں گر لبے ام تشنہ جاں | آرزومندِ نمی از بحرِ احسانِ توام
...ن میں دارم افسرِ شاہی بسر ایں بسکہ ہست | گردنِ تسلیم زیرِ طوقِ فرمانِ توام

شروع ذی الحجہ میں مکّہ شریف گئے - مناسکِ حج ادا کرنیکے بعد اپنی یہ غزل پڑھتے ہوئے پھر مدینہ کو واپس آئے۔

بہ کعبہ رفتم از انجا ہوائے کوئے تو کردم | جمالِ کعبہ تماشا بیادِ روئے تو کردم

ایک سچّا عاشقِ رسول مدینے کی گلیوں میں پھرتا ہے وہاں کا ایک ایک سنگریزہ اُسکی نظروں میں لعل و جواہر سے زیادہ قیمتی معلوم ہوتا ہے - وہاں کی چپّہ چپّہ زمین کو اور ایک ایک در و دیوار کو وہ چومتا ہے - آنکھوں سے لگاتا ہے اور کہتا ہے -

ایں منزلیست کہ سرمنزلِ جاناں بودہ است | مطرحِ نورِ رُخِ آں مہِ تاباں بودہ است
ایں منزلیست کہ ہر شب فرازی کہ و روست | جای آمد شدِ آں سروِ خراماں بودہ است

دامنِ نازکشاں رفتہ بہر جانب ازو   آنکہ صد دستِ تمنّاش بداماں بودہ است

جانِ جامی بحقیقت نرہمیں آنِ ہو است

گو بہ صورت گلش از خاکِ خراساں بودہ است

مدینہ سے پھر شام کی طرف رُخ کیا۔ دمشق میں جو ملکِ شام کا پایۂ تخت تھا چالیس دن تک قیام فرمایا۔ قاضی محمد حیفری جو اس مُلک کے قاضی القضاۃ اور نہایت اعلیٰ پایہ کے محدّث تھے اُن سے حدیث سُنی اور سند حاصل کی۔ قاضی موصوف نے زمانۂ قیامِ دمشق میں اُن کو اپنا ہی مہمان رکھا۔ اور خاطر تواضع کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

دمشق سے حلب کو تشریف لیگئے۔ وہاں کے سادات۔ ائمہ۔ اور رؤسا نے طرح طرح کے تحفے دیے۔ اور قسم قسم کی چیزیں بطور ہدیہ کے پیش کیں۔

سلطانِ رُوم محمد فاتح کو جب معلوم ہوا کہ مولٰنا حج کے لیے آئے تھے اور آجکل مُلکِ شام کی سیاحت کر رہے ہیں تو خواجہ عطاء اللہ کرمانی کے ہمراہ جو بہت دنوں سے مولٰنا کی ملاقات کے متمنّی تھے خدّام کے لیے پانچہزار اشرفیاں نقد روانہ کیں۔ اور آیندہ ایک لاکھ بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اور یہ پیغام بھیجا کہ اگر چند روز کے لئے قسطنطنیہ تشریف لاکر ہم آرزومندانِ دیدار کو مشرف فرمائیں تو نوازشِ بزرگانہ سے بعید نہ ہوگا۔

اِتفاق یہ کہ خواجہ عطاء اللہ دمشق میں اُسوقت پہونچے جب مولانا کا قافلہ حلب کو روانہ ہوچکا تھا۔ حلب پہونچکر مولانا کو خبر لگی کہ سلطان نے اِس اِس غرض سے سفیر بھیجا ہے اور وہ دمشق میں آگیا ہے۔ فوراً وہانسے تبریز کو روانہ ہوگئے کہ کہیں وہ لوگ ہمارے پیچھے حلب تک پہونچ آئیں اور خواہ مخواہ قسطنطنیہ جانے کیلیئے اصرار کریں۔

سلطان حسن بیگ والی تبریز نے جب مولانا کے آمد کی خبر سُنی تو تین ہزار سوار اور اُمراء اور شاہزادونکو ساتھ لیکر فوراً اُنکے لینے کیلیئے روانہ ہوا۔ کیونکہ اِن زمانے میں آذربیجان میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ اور کُرد برابر قافلے لوٹ لیا کرتے تھے قلعہ بیرہ سے وہ اِس فوج کی حفاظت میں مولانا کے قافلے کو تبریز میں لایا۔ بہت احترام و اکرام کیا شاہانہ تحفے تحائف گذرانے اور خواہش ظاہر کی کہ کچھ دنوں یہاں قیام فرمایئے لیکن وطن سے پیغام پہونچا کہ مولانا کی والدہ بیمار ہیں۔ اسلیئے وہ ٹھہر نہ سکے اور روانہ ہوکر ۱۰ شعبان ۸۷۷ھ کو ہرات میں پہونچے ۔ سلطان حسین اُسوقت مرو میں تھا۔ خود نہ آسکا لیکن خیر مقدم کا خط بھیجا۔ باقی اُمراء۔ وُزرا اور تمام شہر کے لوگوں نے بڑی دُھوم دھام سے استقبال کیا۔ امیر علی شیر[۱] نے جو مولانا کا نہایت مخلص مُرید تھا یہ رباعی پڑھی ؎

انصاف بدہ اے فلکِ مینا فام | تازیں دو کدام خوبتر کرد خرام
خورشیدِ جہانتابِ تو از جانبِ صُبح | یا ماہِ جہانگردِ من از جانبِ شام

[۱] ۔ امیر نظام الدین علی شیر المتخلص بہ نوائی سلطان حسین کا وزیر اعظم تھا۔ اِسکا باپ کچکینہ بہادر

خانگی حالات

مولانا درویش تھے۔ اور معمولی درویش نہیں، بلکہ مرشد اور سجادہ نشین ہرات کے قریب مزارِ خیاباں کی خانقاہ میں سکونت رکھتے تھے۔ سلطنتوں اور اُمراء کی طرف سے بڑی بڑی رقمیں آستانہ کے لیے آتی تھیں۔ نہایت فارغ البالی اور اطمینان کیساتھ خداپرستی اور ہدایتِ خلق میں مصروف تھے۔

ہر چہار سمت سے وہاں درویشوں اور فقراء کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اور مولانا کی مہماں نوازی۔ اُنکی عالمانہ گفتگو اور شاعرانہ لطائف و ظرائف کی کشش دور دور سے لوگوں کو کھینچ لاتی تھی۔

درگاہ کے لنگر خانہ کے علاوہ خود مولانا کا دسترخوان بڑا وسیع تھا مولانا علی سرخ جو اُن کے ملازمِ خاص تھے۔ خانگی ضروریات کی چیزیں خریدنے کیلیئے روزانہ ہرات آتے تھے۔

ہرات کے علم دوست اصحاب اور شعراء اکثر اُنکی خدمت میں پہونچتے

سلطان ابوسعید کے درباریوں میں سے تھا۔ امیر علی شیر بہت بڑا عالم۔ علم دوست اور شاعری میں یگانۂ روزگار تھا۔ ترکی۔ فارسی دونوں زبانوں میں کہتا تھا لیکن ترکی کی طرف میلانِ طبع زیادہ تھا اسمیں تقریباً دس ہزار غزلیں لکھی ہیں۔ فارسی میں خمسۂ نظامی کا جواب لکھا ہے۔ خسرو کے قصیدوں پر قصیدے کہے ہیں۔ ولادت ۸۴۴ھ اور وفات ۹۰۶ھ میں ہوئی۔

رہتے تھے۔ اِن کی ذات سے خاکِ خیاباں مرجع خاص و عام بنی ہوئی تھی۔

مولانا اِس علمی اور صوفیانہ زندگی کو بہت غنیمت سمجھتے تھے۔ ہر سمت سے بادشاہوں کے دعوت نامے آتے تھے لیکن وہ کہیں نہیں جاتے تھے تبریز کے بادشاہ یعقوب بیگ نے بہت بُلایا۔ سلاطین روم نے دعوت دی۔ سلطان حسین بیگ نے بُلوا بھیجا۔ مگر وہ کہیں نہیں گئے۔ کیونکہ خراسان میں اُسوقت علم و درویشی کا بڑا چرچا تھا۔ اور یہ دلچسپی اور کشش اُن کو کہیں جانے نہیں دیتی تھی۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

دلم ز ہجر خراساں از آں ہراساں است | کہ بحرِ فقر و محیطِ فنا خراسان است

علاوہ بریں انکی بوڑھی والدہ زندہ تھیں جنکو چھوڑ کر کہیں جانا انکو گوارا نہیں تھا۔ بنگال کے سلطان جلال الدین نے کئی بار نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے یہاں قدم رنجہ فرمانے کی استدعا کی۔ لیکن مولانا نے ہر دفعہ یہی لکھا کہ کیا کروں ایک اپنے سے بھی زیادہ سن رسیدہ کی خدمت میں مصروف ہوں کیونکر آؤں۔ اور یہ اشعار بھی لکھے ؎

رشکِ ارضِ روم از عکسِ جمالِ انورش | جائے آں دارم کہ از رہ بہندستاں کشد
وائے فرزندے کز نسیاں خصم باشد مادرش | مادرِ ایام از خاکِ درت دارد جُدا

مولانا بہت کم سخن تھے۔ اِن کی محفل نہایت مُہذب اور متین تھی۔ فضول گوئی سے اُنکو نفرت تھی۔ ایکدفعہ اتفاقاً ایک بو الفضول جو اپنے آپکو

بڑا متقی اور پرہیزگار سمجھتا تھا وہاں آگیا۔ کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا۔ اُسنے خادموں سے کہا کہ پہلے نمک کیوں نہیں لائے اُسی سے کھانا شروع کرتے۔ مولنا نے مسکرا کر فرمایا کہ روٹی میں نمک ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسنے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ روٹی دونوں ہاتھوں سے توڑتا ہے فورًا بول اُٹھا کہ دونوں ہاتھوں سے روٹی توڑنا مکروہ ہے۔ مولنا نے کہا کہ کھاتے وقت یہ دیکھنا کہ دوسرے کسطرح کھا رہے ہیں اس سے زیادہ بُرا ہے۔ چند لمحہ خاموش رہا۔ پھر سوچکر کہا کہ کھانا کھاتے میں گفتگو کرنا سُنت ہے۔ مولنا نے فرمایا کہ بے شک! لیکن زیادہ نہیں آخر وہ چُپ ہُوا۔

ان کی بیوی جو خواجہ سعد الدین کاشغری کی پوتی اور خواجہ کلاں کی بیٹی تھیں بڑی نیک اور عابدہ وزاہدہ تھیں۔ چار بیٹے پیدا ہوئے۔ لیکن اُن میں سے صرف ایک ہی سلامت رہا۔

پہلا بچہ تو ایک ہی دن کی زندگی لیکر آیا تھا۔ دُوسرا ۸۸۱ھ میں پیدا ہوا۔ اُسکا نام صفی الدین تھا۔ مولنا کو اُس سے غیرمعمولی محبت تھی۔ مگر افسوس کہ وہ ایک سال کا بھی نہیں ہونے پایا کہ انتقال کر گیا۔ بیٹا اور خاصکر بڑھاپے کا بیٹا بہت ہی عزیز ہوتا ہے۔ مولنا اِس یکسالہ بچّے کے غم میں خون کے آنسو روتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

بنگر گردشِ ایں چرخِ جفا آئیں را   کہ چساں زیر و زبر کردبسکیں را

ریخت صد گوہرم از چشم چو در سلکِ وجود ✶ بد و چوں در صدفِ لطف صفی الدین را

رفتی و سیر ندیده رُخِ تو دیده ہنوز ✶ گوش یک نکتہ ز لبہائے تو نشنیده ہنوز

بر سرِ دست خراماں سوئے خاکت بُردند ✶ نازنیں پائے تو گامے بخرامیده ہنوز

تیسرے بیٹے کی پیدایش سنہ ۸۸۲ھ میں ہوئی۔ اسکا نام یوسف۔ اور لقب ضیاء الدین تھا۔ یہی لڑکا زندہ رہا اور اسی سے مولانا کی نسل چلی۔ اِسی کے پڑھنے کیلئے بہارستان اور شرح جامی جیسی عمدہ کتابیں مولانا نے لکھیں۔

ایک شخص نے لکھا ہے کہ یوسف سنہ ۸۷۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس لکھنے والے نے مولانا کے ان اشعار سے دھوکا کھایا جو اُنھوں نے یوسف کی پیدایش کے موقع پر لکھے ہیں ؎

اے شبِ اُمّیدِ مرا ماہِ نو ✶ دیدۂ بختم بہ خیالت گرو

از پسِ سی روز بر آید ہلال ✶ روئے نمودی تو پس از شصت سال

نامِ تو شد یوسفِ مصرِ وفا ✶ با لقبِ دولت و دیں اضیا

اِس سے گمان کیا کہ مولانا کی ساٹھ برس کی عمر میں یوسف کی ولادت ہوئی۔ اسلئے سنہ ۸۷۷ھ لکھدیا لیکن یہ غلط ہے۔ یوسف زلیخا کا جو نسخہ خود مولانا جامی کے ہاتھ کا لکھا ہوا بانکی پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اُسمیں اُنھیں کے قلم کا ایک جگہ بطور یادداشت کے یہ نوشتہ ہے ؎

"ولادت فرزند ارجمند ضیاء الدین یوسف انبته الله نباتاً"
"حسناً فی النصف الاخیر من لیلة الاربعاء التاسع من شهر"
"شوال سنة ۸۸۲ اثنین وثمانین وثمانمائة - والکاتب ابوه"
"الفقیر عبدالرحمن بن احمد الجامی عفی عنه"

(یعنی چہارشنبہ کی رات کے آخری نصف حصہ میں ۹ شوال ۸۸۲ھ میں ضیاء الدین یوسف پیدا ہوا)

چوتھے بیٹے کا نام ظہیر الدین تھا۔ اسکی ولادت ۸۹۱ھ میں ہوئی۔ صرف چالیس روز جیا۔

مولنا کے بڑے بھائی مولنا محمد بھی ان کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ ابتدا میں انکو کیمیا کا بڑا شوق تھا۔ جڑی بوٹی کی تلاش میں حیران اور سرگردان پھرا کرتے تھے۔ ایکدن ایک جگہ کیمیا کی دھن میں متفکر کھڑے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ اتفاق سے خواجہ سعد الدین کاشغری کا ادھر سے گذر ہوا۔ انھوں نے آہستہ سے جاکر پیچھے سے ان کے دونوں کان پکڑ لئے۔ اور فرمایا کہ چل ہم تجکو کیمیا سکھائیں ساتھ لائے۔ مرید کیا۔ ریاضت اور مجاہدے میں لگایا اور سلوک کے مدارج طے کرائے۔

افسوس کہ جوانی ہی کے زمانے میں انھوں نے انتقال فرمایا۔ مولنا نے انکا مرثیہ لکھا ہے۔ شروع اسطرح کرتے ہیں ؎

تا کے زمانہ داغِ غمم بر جگر نہد — یک داغ نیک ناشدہ داغِ دگر نہد

ہر داغ کاورد قدرے رو بہ بہتری — آں داغ را گذارد و داغِ بتر نہد

آگے چلکر لکھتے ہیں ؎

ہن بودم از جہان و گرامی برادرے | در سلک نظم جمع گرانمایہ گوہرے
زانساں برادرے کہ اطوارِ علم و فضل | چوں او نزاد مادرِ ایّام دیگرے
یک شمۂ از شمائلِ او گر بیاں کنم | جمع آید از مکارمِ اخلاق دفترے
چوں او ندیدہ دیدۂ ایّام فتنہ ما | روشن دلے و دقیقہ شناسے سخنورے
دردا و حسرتا کہ زباغِ جہاں برفت | ناخوردہ از نہالِ کمالات خود برے

دُعا کرتے ہوئے آخر میں کہتے ہیں ؎

چوں نام شد محمّد ش از فضلِ سرمدی | سازش مقام زیرِ لوائے محمّدی

وفات

۸۹۸ھ میں ۱۳- محرّم کو یکشنبہ کے دن مولانا کی طبیعت خراب ہوئی- ہرچند علاج کیا گیا لیکن مرض برابر ترقی کرتا چلا گیا- یہاں تک کہ ۱۸- محرّم کو جمعہ کے دن صبح کے وقت ایسا ضعف غالب ہوا کہ نبض ساقط ہو گئی- اور ٹھیک اُسوقت جبکہ جمعہ کی اذان ہو رہی تھی، اُن کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی- تمام شہر میں کُہرام مچ گیا- جنازے کے ساتھ خلقت کا بڑا ہجوم تھا- سلطان حسین وزیر امیر علی شیر اور اُمرا اور شاہزادے خود اپنے

کندھوں پر جنازہ قبر تک اُٹھا کر لائے۔

میڈم لوسا لکھتی ہے کہ جب نمازِ جنازہ پڑھی جا چکی تو زمین خود بخود شق ہو گئی اور اس طرح نعش کو اپنے اندر لے لیا جیسے سیپ کے شکم میں موتی ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ میڈم موصوفہ نے کسی شعر کے مضمون کو واقعہ خیال کر لیا ہے لیکن یہ غلط فہمی بھی لطف سے خالی نہیں۔

مزارِ خیاباں میں اپنے مُرشد خواجہ سعد الدین کاشغری کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ اُس پر ایک عالیشان قبّہ بنایا گیا۔ جس کا سنگِ بنیاد اُن کے عقیدتمند مُرید امیر علی شیر نے رکھّا۔ وزیرِ موصوف نے اُن کا ایک پُر درد مرثیہ بھی لکھا دیگر علما، و فضلا، و شعرا نے بھی بڑے بڑے مرثیے اور قطعات تاریخ لکھے۔ ایک قطعۂ تاریخ یہ ہے۔

غوثِ آفاق حضرتِ جامی — چوں عناں تافت از دیارِ فنا

سال و ماہِ وفاتِ روزش بود — ہژدہم روزِ ماہِ عاشورا
۹۸ ۸

———※———
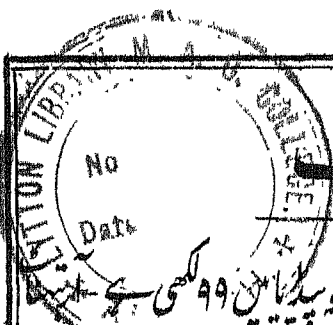
تصنیفات

مولانا کی تصانیف کی تعداد پاپولر انسائیکلوپیڈیا میں ۹۹ لکھی ہے۔ اسپرنگر لکھتا ہے کہ ۴۵ سے ۵۰ تک ہے۔ تذکرہ داغستانی میں ہے کہ اُنکی تصنیفات جامی کے عدد کی برابر یعنی ۵۴ ہیں۔

لیکن عام طور پر تذکروں میں اُن کی تصنیفات کی تعداد بقدر عدد جام کے یعنی ۴۴ بتائی جاتی ہے۔ جسمیں سے تین دیوان غزلیات کے ہیں۔ فاتحۃ الشباب۔ واسطۃ العقد۔ اور خاتمۃ الحیاۃ۔

آربتھناٹ دیوان کی تعداد چار لکھتا ہے لیکن چوتھے دیوان کا کچھ پتا نہیں دیتا۔

سنہ ۱۲۹۹ھ میں لکھنؤ کے مطبع نولکشور سے ایک بے نقاط دیوان ۸۰ صفحے کا شائع ہوا ہے۔ جسمیں ۴۸ نعتیہ غزلیں۔ چند رباعیاں اور قطعات وغیرہ ہیں۔ یہ دیوان ماوح کی تصنیف ہے۔ مطبع نے اسکو مولانا جامی کا قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جامی کے لفظ میں چونکہ نقطہ تھا اسوجہ سے مولانا نے اسکے بجائے اپنا تخلص مادح کر لیا ہے

لیکن خود اِس دیوان میں تصنیف کی تاریخ لکھتے ہوئے مصنف نے جو شعر لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولانا کا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے شخص کا ہے وہ کہتا ہے ؎

در سالِ دہ صد و دو سہ ہر دو رسالہ ۱۰۰۶ — مادح کہ کرد درس مدیح رسولِ ما
اوراِلٰہ کرد رد و اهمر مُرادِ او — در ہر دو عالم آمدہ حاسد ملولِ ما

مولنٰا کی وفات ۸۹۸ھ میں ہوئی۔ اِسلئے یہ اُنکے سو برس سے بھی زیادہ بعد کی تصنیف ہے۔ اور کلام کے دیکھنے سے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ مولنٰا کا نہیں ہے۔

ہمکو اتبک اِن کی حسبِ ذیل ۴۴ تصانیف کا پتہ چل سکا ہے۔ اُن میں سے اکثر چھپ کر شائع بھی ہوچکی ہیں۔

(۱) دیوانِ اوّل (فاتحۃ الشباب)

اِس دیوان میں جوانی کے زمانے کا کلام جمع کیا گیا ہے۔

(۲) دیوانِ دُوم (واسطۃ العقد)

اِس میں درمیانی عمر کا کلام ہے۔ اسکو مولنٰا نے ۸۹۴ھ میں مرتب کیا ہے۔

(۳) دیوانِ سوم (خاتمۃ الحیاۃ)

آخری عمر کا تمام کلام اِس میں جمع کیا ہے۔

ہر ایک دیوان میں قصیدے، غزلیں، قطعات، اور رباعیات وغیرہ ہیں۔ اور سب کی ترتیب حروفِ تہجّی کے سلسلے سے ہے۔ شعرائے فارس کے دیوان عموماً اسطرح ترتیب دیے جاتے تھے کہ اُنکا تمام کلام بلالحاظ اسکے کہ وہ کس عمر میں کہا گیا ہے، ایک جگہ حروفِ تہجّی کے سلسلے کے مطابق جمع

کردیا جاتا تھا۔ امیر خسرو نے اسمیں یہ جدت نکالی کہ ہر ایک حصّہ عمر کا کلام الگ الگ مدوّن کیا۔ اسی طریق کو مولنا نے بھی پسند کیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دماغ کی شاعرانہ ترقی کی رفتار کا بھی اندازہ ہوتا جاتا ہے۔

قصائد، غزلیات وغیرہ کا ایک ناکمل مجموعہ کلیاتِ جامی کے نام سے مطبع نولکشور میں چھپا ہے۔

(۴) (معمائے کبیر)

معما گوئی بڑی جگر کاوی کا فن ہے۔ اُس زمانے میں اسکا بڑا رواج تھا۔ مولنا اس فن میں بھی کمال رکھتے تھے۔ عجیب و غریب معمّے کہے ہیں۔ مثلاً علیؓ کے نام کا معما لکھا ہے۔

چشم بکشا۔ زلف بشکن جانِ من ــ بہر تسکینِ دلِ بریانِ من

چشم کو عربی میں عین کہتے ہیں۔ بکشا سے کنایہ ہے کہ فتحہ دو۔ زلف سے استعارۃً لام مراد ہے۔ بشکن سے اشارہ ہے کہ کسرہ لگاؤ۔ بریاں کا دل یعنی بیچ کا حرف ی ہے اسکو ساکن کرو۔ علی ہو گیا۔

ایک یہ معما مولنا کا بہت مشہور ہے۔

بہ تقلیب و تبدیل و بہ تجنیس ــ ز روئے یار خواہم ضدِّ شرقی

ضدِّ شرقی۔ غربی ہے۔ غربی اور عربی میں تجنیسِ خطّی ہے۔ عربی میں اگر کسیقدر تقلیب کرو تو ربیع ہو جاتا ہے۔ ربیع کے معنی بہار کے ہیں۔ بہار اور نہار

مین تجنیسِ خطّی ہے۔ نہار کا مُرادف یوم ہے۔ یوم کو اُلٹو تو موئے ہو گیا۔ موئے کو عربی میں شعر کہتے ہیں۔ شعر کو کسیقدر اُلٹو تو عرش ہو جاتا ہے۔ عرش ایک مکان کا نام ہے۔ مکان کو عربی میں دار کہتے ہیں۔ دار کو اُلٹو تو راد ہو جاتا ہے۔ راد اور زاد مین تجنیسِ خطّی ہے۔ زاد کے معنی توشہ کے ہیں۔ توشہ ہمشکل ہے بوسہ کے۔ پس رُوئے یار سے شاعر بوسہ طلب کرتا ہے

اِسیطرح کے سینکڑوں ناموں اور چیزوں کے معمّے بنائے ہیں۔ اور اِس فن میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ یہ رسالہ سب سے بڑا ہے۔ اسکا نام حلیۃ الحلل ہے

(۵) معمّائے متوسّط

پہلے رسالے سے کسیقدر چھوٹا ہے۔

(۶) معمّائے صغیر

حلیۃ الحلل کا منتخب ہے۔

(۷) معمّائے اصغر

سنہ ۸۹۰ھ کی تصنیف ہے۔

(۸) رسالۂ عروض

علم عروض میں ایک مختصر رسالہ ہے۔

(۹) رسالۂ قافیہ

فنِ قافیہ میں ہے۔ آخری حصّۂ عمر کی تصنیف ہے۔

(۱۰) رسالہ موسیقی

مولنا کو فنِ موسیقی سے بہت شوق تھا۔ اوائلِ عمر میں اِس فن کو سیکھا تھا اور اسمیں بڑی مشق اور مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ ایک رسالہ بھی اِس فن میں بطور یادگار کے چھوڑا ہے۔

(۱۱) انشائے جامی

اکثر سلاطین اور بڑے بڑے فقرا اور فضلا کے پاس جو رقعے یا خطوط لکھے تھے وہ اِس میں جمع کیے ہیں۔ بعض بعض مکتبوں میں پڑھائی بھی جاتی تھی۔ لیکن اِسکی عبارت ادیبانہ نہیں ہے۔ بلکہ عالمانہ ہے۔ اسمیں خاص طور پر جو چیز قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ مولنا اپنے مخاطب کا کسقدر ادب احترام ملحوظ رکھتے ہیں

(۱۲) تفسیر فاتحۃ الکتاب

علامہ ابنِ عربی اور شیخ صدرالدین قونوی نے سورۂ فاتحہ کی تفسیریں لکھی ہیں۔ مولنا نے بھی جو اِنھیں لوگوں کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ عربی زبان میں اُسی روش پر تفسیر لکھی۔

(۱۳) مناقب مولوی خواجہ انصاری

(۱۴) نشر اللآلی

(۱۵) سخنانِ خواجہ پارسا

(۱۶) رسالہ فی تحقیقِ مذہبِ صوفیہ

(۱۷) فتوح الحرمین

مولنا نے اِس کتاب میں اپنے سفرِ حج کی کیفیت نظم میں بیان کی ہے۔
اور بہت سی روایتیں فضائلِ حج کے متعلق نظم کی ہیں۔ یہ کتاب دو مرتبہ منشی
نولکشور کے مطبع میں لکھنؤ میں طبع ہوئی ہے۔ مگر مطبع والوں نے یہ غلطی کی ہے
کہ اسکو شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف قرار دیا ہے۔ اور غضب
یہ کیا ہے کہ کتاب کے اندر جہاں جہاں جامی کا نام آیا تھا اسکو نکالنے کی کوشش کی ہے
اور بجائے اسکے محی بنایا ہے۔ لیکن پھر بھی دو تین جگہ جامی کا نام رہگیا ہے۔
علاوہ بریں وہ نظم بھی جو مدینۂ منورہ میں مزار شریف نبوی صلعم پر پہونچکر
مولنا نے پڑھی تھی اور جسکے چند شعر ہم سفرِ حج کے ذیل میں نقل کر چکے ہیں
اس کتاب میں موجود ہے۔
دہلی کے مطبع مجتبائی نے صحت کیساتھ مولنا جامی کے نام سے اسکو چھاپا ہے۔

(۱۸) رسالہ لوائح

صوفیانہ خیالات لکھے ہیں۔ انھیں کو پھر رباعیوں میں ظاہر کیا ہے۔
طبع ہو چکا ہے۔

(۱۹) شرح رباعیات

یہ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ فارسی کی تمام رباعیوں سے زیادہ
پُر مغز رباعیاں مولنا جامی کی ہیں۔ لیکن چونکہ انمیں تصوف کا عنصر ضرورت سے

زیادہ ہے اسلیے ادبا اور شعرا میں مقبول نہیں ہوئیں۔ انکی رباعیوں میں استقدر
نازک تخیلات ہیں کہ صوفیانہ مذاق کے لوگ اُنپر وجد کرتے ہیں
اِس رسالے میں مولانا نے خود اپنی ہی بعض رباعیوں کی شرح بیان کی ہے

(۲۰) شرح بیتین مثنوی (نے نامہ)

مولنا روم کی مثنوی کے پہلے دو شعروں کی شرح لکھی ہے۔ نثر میں بھی
اور نظم میں بھی۔ نظم کے چند شعر یہ ہیں ۔

حبّذا روزیکہ پیش از روز و شب | فارغ از اندوہ و آزاد از طرب
متّحد بودیم با شاہِ وجود | حکمِ غیریّت بہ کلّی محو بود
نے زحق ممتاز و نے از یکدگر | غرقۂ دریائے وحدت سر بسر
ناگہاں در جُنبش آمد بحرِ جُود | جُملہ را در خود زخود با خود نمود
واجب و ممکن زہم ممتاز شد | رسم و آئینِ دوئی آغاز شد

نے کہ آغازِ حکایت مے کند
از جُدا ئیہا شکایت مے کند

کز نیستانے کہ درو ے ہر عدم | رنگِ وحدت داشت با نو یِ قدم
تا بہ تیغِ فرقتم ببریدہ اند | از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
کیست مرد اسمائے خلّاقِ ودود | کو بود فاعل و را طوا رِ وجود
چیست زن اعیانِ جملہ ممکنات | منفعل گشتہ ز اسماء و صفات

جملہ۔ اور ضمن انسان نالہاست — کہ چرا ہر یک ز اصلِ خود جدا است
شد گریبان گیر شان حُبُّ الوطن
این بود سرِّ نفیرِ مرد و زن

یہ رسالہ شایع ہوچکا ہے۔ اِسکا ایک بے نظیر قلمی نسخہ محمد محسن ہروی کے ہاتھ کا لکھا ہوا جسپر برہان نظام شاہ بادشاہِ دکن کی ۹۳۲ھ کی مُہر لگی ہوئی ہے دہلی کے ہرگوبند پرشاد۔ نگم نے ۱۹۱۰ء کی الہ آباد کی نمایش میں رکھا تھا۔ اس کی قیمت بیس ہزار روپئے تھی۔

(۲۱) شرح بیت امیر خسرو

امیر خسرو کے اِس شعر کی شرح ہے۔

زورہائے شہادت چوں نہنگِ لا برآرد سر — تیمم فرض گردد نوح را در وقتِ طوفانش

(۲۲) شرح حدیث

حضرت ابو ذر رضہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ قبلِ آفرینش کے اللہ کہاں تھا۔ اِس حدیث کے جواب کی شرح ہے۔

(۲۳) رسالۂ تہلیلہ

اِس میں کلمۂ طیّبہ کے معنی بیان کیے گئے ہیں۔ الف۔ لام۔ ہ۔ اللہ کے نام کے حروف کے رموز کی حقیقت بتائی ہے۔

---

(۲۴) رسالۂ طریق توجّہ

گیلان کا ایک رئیس زادہ سخت بیمار تھا۔ یہانتک کہ ایک روز یہ معلوم ہوا کہ وہ مرگیا۔ اُسکے عزیز و اقارب اُسپر رونے لگے۔ تجہیز و تکفین کا سامان بھی کیا جانے لگا۔ اِستنے میں اُسنے حرکت کی۔ اور اُٹھ بیٹھا۔ اُسی روز اُسکو افاقہ ہوا اور اچھا ہوگیا۔ اُسنے لوگوں سے کہا کہ جسوقت مجھپر غشی طاری ہوگئی تھی میں نے دیکھا کہ مولانا جامیؒ تشریف لائے۔ اور میری طرف التفات فرما کر کہا کہ تو اچھا ہو جائیگا۔ اُنھیں کی برکت سے میں نے شفا پائی۔ چنانچہ بعد شفا یابی کے اُسنے بیس ہزار اشرفیاں مولانا کی خدمت میں بطور نذر کے بھیجیں۔ اور خواجگان نقشبند کا طریق توجّہ دریافت کیا۔ مولانا نے یہ رسالہ لکھکر بھیجدیا۔

(۲۵) رسالۂ وجودیہ

عربی زبان میں واجب الوجود کے اِثبات میں ہے۔

(۲۶) شرح قصیدۂ تائیہ فارضیہ (نظم درر)

عربی شعرا میں سے شیخ ابن فارض متوفی ۶۳۲ھ بہت بڑے صوفی گذرے ہیں۔ اُنکا تمام کلام صوفیانہ خیالات سے لبریز ہے۔ اگرچہ وہ مصر کے باشندے تھے لیکن انکی شاعری میں بالکل فارسی شعرا کے تخیلات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل تصوف عربی شعرا میں سے اِنکے کلام کو بہت پسند کرتے ہیں۔ مولانا نے انھیں کے مشہور قصیدۂ تائیہ کی جسمیں نہایت گہرے صوفیانہ خیالات ہیں۔

شرح لکھی ہے۔ ساتھ ہی ہر ایک شعر کے مطلب کو ایک ایک رباعی میں بھی ادا کیا ہے۔

(۲۷) شرح قصیدۂ میمیہ خمریہ (لوامع)

شیخ ابن فارض کے مشہور قصیدۂ خمریہ کی شرح ہے جسمیں انھوں نے شراب (معرفت) کی تعریف لکھی ہے۔ اسمیں بھی ہر شعر کی تشریح کرنیکے بعد اُسی کے ہم مضمون ایک رباعی لکھدی ہے۔

(۲۸) اشعۃ اللمعات

شیخ فخر الدین[۵۱] عراقی نے علامہ ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم سے چند مضامین منتخب کرکے لمعات کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا۔ امیر علی شیر کی فرمایش سے ۸۸۶ھ میں مولنا نے اسکی یہ شرح لکھی۔

[۵۱] - شیخ فخر الدین عراقی ۶۱۰ھ میں ہمدان میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا۔ ۱۷ سال کی عمر میں علوم رسمیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر خود صاحب درس ہوئے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مخصوص ترین مریدہیں۔ اُنھوں نے اپنی بیٹی کا نکاح بھی اُن کے ساتھ کر دیا تھا۔ ۶۸۸ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ اور صالحیہ میں علامہ محی الدین ابن عربی کے مزار کے عقب میں دفن ہوئے۔ اُن کے یہ شعر بہت مشہور ہیں۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند	زچشم مست ساقی وام کردند
چو رازِ عشق را کردند خود فاش*	عراقی را چرا بدنام کردند

اُن کی یہ غزل بھی بڑی مقبول ہوئی۔

*چو خود کردند راز خویشتن فاش

بخود او خود ز غیرت راز بر من بکو دیکھ۔ دو جام کردند

(۲۹) نقد النصوص

علامہ ابن عربی نے خود اپنی کتاب فصوص الحکم سے انتخاب کر کے ایک مختصر سا رسالہ نقش الفصوص ترتیب دیا تھا۔ مولنا نے ۸۹۳ھ میں اس کی عربی زبان میں یہ شرح لکھی۔ طبع ہو چکی ہے۔

(۳۰) چہل حدیث

۸۸۶ھ کی تصنیف ہے۔

(۳۱) شواہد النبوۃ

امام مستغفری کی کتاب دلائل النبوۃ اور اسی قسم کی دوسری کتابوں سے آنحضرت صلعم کے معجزات۔ صحابۂ کرام۔ اہل بیت و دیگر بزرگان دین کی کرامتیں لکھی ہیں۔ چھپ گئی ہے۔ مولنا لمعی نے ترکی میں اسکا ترجمہ کیا ہے۔

صنمارہ قلندر۔ سزد ار بہ من نمائی — کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

بطواف کعبہ رفتم۔ بحرم رہم ندادند — کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

بزمیں چو سجدہ کردم۔ ززمیں ندا بر آمد — کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

بشراب خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم — چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم دغائی

درِ دیر چوں زدم من۔ ز درون ندا بر آمد

کہ بیا بیا عراقی۔ کہ ز خاصگان مائی؛

(۳۲) مناسک الحج

جب حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو قیام بغداد کے زمانے میں اسکے ارکان و مناسک پر یہ رسالہ لکھا۔ چاروں اماموں میں جو جو اختلافات ہیں وہ بھی بیان کیے ہیں۔

(۳۳) رسالہ صرف

عربی صرف کے قواعد نثر و نظم میں لکھے ہیں۔

(۳۴) شرح مائۃ عامل

مائۃ عامل منظوم کی نظم ہی میں شرح ہے۔ شائع ہو چکی ہے۔

(۳۵) الفوائد الضیائیہ فی شرح کافیہ (شرح جامی)

علامہ ابن حاجب متوفی ۶۴۶ھ کی کتاب کافیہ کی جو علم نحو میں ہے اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کے پڑھنے کے لیے عربی زبان میں شرح لکھی۔ کافیہ ایک ایسی مقبول کتاب ہے کہ عربی اور فارسی میں اسکی پچاسوں شرحیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن ان سب میں شرح جامی ہی کو یہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ وہ اکثر اسلامی ممالک میں نصاب میں داخل کر لی گئی۔

یہ کتاب مولانا کے علم و فضل کی نہایت زبردست دلیل اور انکی مصنفانہ قابلیت کا بیّن ثبوت ہے۔

خوشتر شرح جامی تصانیف کا مرجع بن گئی۔

مولنا عبد الغفور - ملا جمال - محرم آفندی - سید نعمت اللہ -
اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی نے اسپر مبسوط حاشیے لکھے ہیں - سوال یا سولی
سوال کابلی - مولنا عصام - اور ملا نور محمد مدقق کے حاشیے بھی شائع ہو چکے ہیں -

(۳۶) بہارستان (روضۃ الاخیار)

جس زمانے میں یوسف ضیاء الدین کو گلستان پڑھا رہے تھے تو شوق
ہوا کہ خود بھی اسی طرز پر ایک کتاب لکھیں - چنانچہ اسی وضع پر لکھی - گلستان کے
بجائے اسکا نام روضہ رکھا جسکے معنی باغ کے ہیں -

مولنا کا نہ یہ دعوے تھا کہ انکی کتاب سعدی کی گلستاں کی برابر ہو گی نہ
ہوئی - لیکن یہ ضرور ہے کہ گلستاں کے ہمرنگ جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں ان
سب میں بہارستاں ہی بہتر ہے - اگرچہ اسمیں بعض حکایتیں ایسی ہیں کہ اُن کا
نہ ہونا بہتر تھا -

حسب ذیل کتابیں گلستانِ سعدی کے جواب میں لکھی گئی ہیں -

نگارستان - ۸۹۰ھ میں خواجہ معین الدین جوینی نے سلطان ابوسعید کے نام پر لکھی

---

۵۱ - ملا عبد الغفور لاری مولنا جامیؒ کے مریدانِ با اخلاص اور شاگردانِ خاص میں سے تھے -
مولنا اُن کے بڑے مداح تھے چنانچہ فرمایا ہے ؎

آنجا کہ فہم و دانش مرغے بود شکاری ۔۔۔ بازیست تیز رفتار عبد الغفور لاری

۹۱۲ھ میں وفات پائی -

خارستان - مُلا مجد الدین خوافی -

گلستان - حکیم قاآنی -

ان سب میں بہارستان زیادہ مقبول ہوئی - بعض بعض مکتبوں میں پڑھائی بھی جاتی تھی - شاکر آفندی اور مولٰنا لمعی دونوں نے ترکی زبان میں اسکی شرحیں لکھی ہیں - سنہ ۱۸۸۷ء میں سے کے - شاستراسو سائٹی نے بنارس سے اسکا ایک انگریزی ترجمہ شائع کیا - مسٹر ولسن نے سنہ ۱۸۸۳ء میں اسکے چھٹے باب کا ترجمہ انگریزی میں چھپوایا - شلختا ویشیرڈ نے سنہ ۱۸۴۶ء میں وینا سے جرمن میں اسکا ترجمہ شائع کیا -

(۳۷) نفحات الانس

اس میں اپنے زمانے تک کے بزرگانِ دین اور صوفیہ ومشائخ کے حالات لکھے ہیں - یہ کتاب امیر علی شیر کی فرمایش سے لکھی گئی ہے - اسکا ماخذ شیخ عبد الرحمٰن بن محمد بن حسن متوفے سنہ ۴۱۲ھ نیشاپوری کی کتاب طبقات الصوفیہ ہے - یہ کتاب پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں لکھی گئی تھی - اسی صدی کے آخر میں شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبد اللہ بن محمد الانصاری الہروی متوفے سنہ ۴۸۱ھ نے اسپر اور اضافہ کیا - مولٰنا جامی نے اسکو لیکر اُسپر بعد کے صوفیہ کے حالات بھی بڑھا دیئے - علاوہ بریں شیخ الاسلام نے اسکو ہرات کی قدیم زبان میں لکھا تھا - مولٰنا نے ... رائج الوقت زبان میں کیا -

خود امیر علی شیر نے اس کتاب کا ترکی میں ترجمہ کیا۔ دوسرا ترجمہ مولنا لمعی نے کیا جو قسطنطنیہ سے چھاپکر شائع کیا گیا

مولنا عبد الغفور نے اسکی ایک شرح لکھی۔ علی اکبر وہبی نے بھی ۱۱۹۸ھ میں ایک شرح لکھی اور اُسکا نام مکاشفات علی اکبر وہبی رکھا۔ شیخ جلال ہروی نے جو مولنا جامیؒ کے پوتے تھے اسکا خلاصہ کر کے خلاصۃ النفحات نام رکھا۔

اُردو زبان میں بھی اسکا ایک ترجمہ امرت سر سے شائع کیا گیا ہے۔

(۳۸) سلسلۃ الذہب

یہ مثنوی حدیقۂ سنائی۔ جام جم اوحدی۔ اور ہفت پیکر نظامی کے ہمرنگ ہے سلطان روم بایزید کے نام پر لکھی ہے۔ اسمیں فرماتے ہیں ؎

کاش نوشیرواں کنوں بودے | عدلش از پیشتر فزوں بودے
تا ز دعویٔ عشق شرمندہ | خسرو روم را شدے بندہ
مہبط العز و العلا سلطان | بایزید ایلدرم شہ دوران

آخری مصرعہ سے سلطان موصوف کا سال جلوس ۸۸۵ھ بھی نکلتا ہے۔

اسکا پہلا دفتر خاص مولنا کے قلم کا لکھا ہوا بانکی پور کے کتب خانہ میں ہے۔

(۳۹) سلامان و ابسال

یہ مثنوی سلطان یعقوب بیگ بن حسن بیگ بادشاہ تبریز کے نام سے لکھی گئی۔ فریدالدین عطار اور مولنا روم کی مثنوی کے ہم وزن و ہم مضمون

ہی۔ سنہ ۱۸۵۶ء میں فالکنر نے اور سنہ ۱۸۷۹ء میں فٹنز جیرلڈ نے انگریزی میں اسکے ترجمے شائع کئے

(۴۰) تحفۃ الاحرار

سنہ ۸۸۶ھ کی تصنیف ہے۔ اِس میں زہد و عبادت اور مذہبی جذبات کے اُبھارنے والے مضامین اور حکایتیں ہیں۔ ایک جگہ غور و تامل اور شب بیداری کی تحریک کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

بر نہ کنی سر کہ دریں پردہ چیست ۔۔۔ نقش نگارندۂ ایں پردہ کیست

سبحۂ انجم بہ ثریا کہ داد ۔۔۔ طارمِ چارم بہ مسیحا کہ داد

تار کہ بر بربطِ ناہید بست ۔۔۔ زنگ کہ بر نعلِ خورشید بست

نیل بریں صفحۂ خضرا کہ ریخت ۔۔۔ مُہرہ دریں حُقّۂ مینا کہ ریخت

خرقۂ شب غالیہ گوں از چہ شد ۔۔۔ دامنش آلودہ بخوں از چہ شد

شمعِ سحر لمعۂ نور از کہ یافت ۔۔۔ جبہۂ مہ داغِ قصور از کہ یافت

ہست دریں دائرہ بے قال و قیل

ایں ہمہ بر ہستیِ صانع دلیل

لندن سے فالکنر نے اسکو نہایت عمدگی سے چھاپکر شائع کیا۔ کچھ حصے کا جرمن میں ترجمہ ہوا ہے۔

(۴۱) سبحۃ الابرار

امیر خسرو کے نہ سپہر کے ہمرنگ ہے۔

(۴۲) خرد نامۂ اسکندری

نظامی کے سکندر نامہ کا جواب ہے۔

(۴۳) لیلیٰ و مجنوں

نظامی کی مثنوی لیلیٰ و مجنوں کے جواب میں چار مہینے میں لکھی۔ اسکے اشعار کی تعداد ۳۷۶۰ ہے۔ سنہ ۱۸۰۷ء میں جرمن میں ہارٹمن نے لیپزگ سے۔ اور سنہ ۱۸۰۵ء میں چیزی نے فرنچ میں پیرس سے اسکا ترجمہ شائع کیا۔

(۴۴) یوسف زلیخا

نظامی کی مثنوی خسرو شیریں کے طرز پر ہے۔ سنہ ۸۸۹ھ میں لکھی گئی۔ اسکے تین ترجمے انگریزی میں شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا۔ مسٹر راجرسن کا سنہ ۱۸۷۳ء میں نثر میں۔ دوسرا ڈاکٹر گریفتھ کا سنہ ۱۸۸۲ء میں۔ تیسرا۔ مسٹر راجرس کا سنہ ۱۸۹۲ء میں۔ آخری دونوں ترجمے نظم میں ہیں۔ سنہ ۱۸۲۴ء میں روزنزویگ نے جرمن میں ترجمہ کیا جو آسٹریا کے پایۂ تخت وینا سے شائع کیا گیا۔

اسکا ایک ترجمہ پشتو زبان میں انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔

اسمیں چار ہزار شعر ہیں۔ مولنا نے آخر میں خود کہا ہے ؎

گرفتم بیت بیتش را شمارہ　　ہزار آمد و لیکن چار بارہ

یہ ساتوں مثنویاں یعنی۔ (۱) سلسلۃ الذہب۔ (۲) سلامان و ابسال۔ (۳) تحفۃ الاحرار۔ (۴) سبحۃ الابرار۔ (۵) خرد نامۂ اسکندری۔ (۶) لیلیٰ و مجنوں۔ اور (۷) یوسف زلیخا۔ ہفت اورنگ کے

نام سے مشہور ہیں۔

فارسی شعرا میں مولانا کا درجہ

تین شخص فارسی شاعری کے پیغمبر مانے جاتے ہیں۔ فردوسی۔ انوری اور سعدیؒ۔ یہ قطعہ مشہور ہے۔

در شعر سہ کس پیمبرانند   ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را   فردوسی و انوری و سعدی

لیکن عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ فارسی کے سب بڑے شاعر مندرجہ ذیل سات اساتذہ ہیں۔

فردوسی۔ انوری۔ نظامی۔ مولنا روم۔ سعدی۔ حافظ۔ جامی

پرشین پورٹریٹ کا مصنف بھی یہی لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "یہ ساتوں شعرا ایسے ہیں کہ انکا نام کبھی مٹ نہ سکیگا۔ یہ اپنے ساتھ حیاتِ ابدی لیکر آئے تھے"۔

مگر اصلیت یہ ہے کہ فارسی شاعری کے مختلف اصناف ہیں۔ اور ہر ایک صنف میں مختلف شعرا منتہائے کمال پر پہونچے ہیں۔ ہم جب ہر ایک صنف کو الگ الگ کرکے رکھتے ہیں تو حسبِ ذیل اساتذہ شاعری کی انتہائی چوٹی پر ہم کو نظر آتے ہیں۔

(۱) رزم و بزم۔ یعنی مثنوی۔   فردوسی۔ نظامی

ان کے علاوہ اور جن لوگوں نے مثنویاں لکھی ہیں۔ مثلاً۔ اوحدی۔ خاقانی

خسرو - جامی وغیرہ کوئی بھی ان کی برابری نہیں کرسکا۔

(۲) قصائد۔ خاقانی - انوری

ظہیر - سلمان - عرفی اور نظیری وغیرہ نے بھی قصیدے اچھے لکھے ہیں لیکن سب انھیں دونوں کے جھنڈے کے نیچے ہیں۔

(۳) رباعیات۔ ابوسعید - عمرخیام

(۴) تصوّف عطار - مولنا روم

(۵) غزل سعدی - حافظ -

کمال - فغانی - صائب و نظیری وغیرہ بھی غزل گو ہیں لیکن سعدی اور حافظ کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

(۶) جامعیت - خسرو - جامی

جامعیت کے لحاظ سے خسرو اور جامی کا مقابلہ ایسا سخت ہوجاتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے۔ اگر خسرو کی غزلیں انکا پلہ بھاری کرتی ہیں تو جامی کی مثنویاں انکو ترجیح دلاتی ہیں - مگر خسرو کو تقدّم زمانی کا شرف بھی حاصل ہے اسلئے اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّم کے اصول کا لحاظ رکھکر ہم یہ کہتے ہیں کہ :-

مولنا جامی فارسی کے آخری سب سے بڑے شاعر ہیں۔

پرشین پورٹریٹ کا مصنف کہتا ہے کہ "جامی کے کلام میں سعدی کی اخلاقیت مولنا روم کی بلندی - حافظ کی سلاست اور نظامی کی پختگی پائی جاتی ہے"

مولنا کی شاعری

مولنا ایک مقدس عالم اور بزرگ درویش تھے۔ اُنکے رتبے کے لحاظ سے شاعری اُن کے لئے کچھ ذریعہ عزت نہیں۔ جان ملکم صاحب اپنی کتاب تاریخ فارس میں لکھتے ہیں کہ:-

"جامی اپنی شاعری کی وجہ سے اسقدر مشہور نہیں جسقدر کہ اپنی علمیت اور پرہیزگاری کیوجہ سے۔ اُنکے اشعار میں زہد و تقویٰ بھرا ہوا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مذہبی کتابوں میں انھیں کے اشعار زیادہ تر نقل کئے جاتے ہیں"

قرآن شریف نے چونکہ شاعری کو اچھا نہیں کہا اس وجہ سے علمار کے طبقہ میں وہ شروع ہی سے عیب شمار کی جانے لگی۔ امام شافعیؒ کا قول ہے

ولولا الشعر بالعلماء یزری　　لکنت الیوم اشعر من لبید[1]

(اگر شاعری علمار کے لیے عیب نہوتی　　تو آج میں لبید سے بھی اچھا شاعر ہوتا)

مولنا بھی یہی خیال رکھتے تھے۔ اپنے بیٹے کے لیے جو نصیحت نامہ لکھا ہے اسمیں فرماتے ہیں ؎

شعر اگرچہ ہنرے دلکش است　　شمہ از عیب بہ شعر اندر است

از قدرت گہ گہے اندیشہ اش　　کوش کہ چوں من نہ کنی پیشہ اش

---

[1] - عرب کے بڑے نامور شاعر ہیں۔ عرب کے سات قصیدے جو سبعہ معلقہ کے نام سے مشہور ہیں اور جو بوجہ لاجواب ہونیکے سنہرے حرفوں میں لکھکر خانہ کعبہ میں لٹکائے گئے تھے اُن میں ایک قصیدہ لبید کا بھی ہے۔ وہ آخری عمر میں آنحضرتؐ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ قرآن شریف میں انکو وہ مزا ملا کہ شاعری قطعاً چھوڑ دی۔

(یعنی شعر اگرچہ بجائے خود ایک ہنر ہے لیکن یہ عیب شمار کیا جاتا ہے۔ اگر تمکو کبھی کبھی فکرِ سخن کا موقع ملے تو مضائقہ نہیں لیکن کوشش کرنا کہ میری طرح اسکو پیشہ نہ کر لینا)

مگر باوجود اسکے زمانے کے مذاق اور اپنی شاعرانہ طبیعت سے مجبور تھے۔

وہ ملکِ سخن کے ہر ایک میدان کے شہسوار نظر آتے ہیں۔ قصیدے۔ غزلیں۔ مثنویاں۔ رباعیاں۔ سب کچھ کہتے ہیں۔ اُن کے کلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قدرتی چشمے کی طرح بہت صاف اور رواں ہے۔ نہ گنجلک ہے نہ تعقید ہے۔ نہ پیچدار معانی ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

نظمِ کلامش نہ بغایت بلند   تا نشود ہر کس ازو بہرہ مند

ہست معانیش نہ زانساں دقیق   کش بتواں یافت بفکرِ عمیق

لفظ خوش و معنیِ ظاہر درو   آبِ زلالست و جواہر درو

(یعنی میرا کلام نہ اسقدر بلند ہے کہ ہر آدمی اُس سے نفع نہ اُٹھا سکے نہ اُسکے معانی اِتنے پیچدار ہیں کہ انہیں بہت زیادہ غور و تامل کرنا پڑے۔ بلکہ اُسکے الفاظ پاکیزہ ہیں اور اُسمیں معانی اسطرح جھلکتے ہیں جسطرح صاف ستھرے شیریں چشمے میں جواہر)

ایک شاعر مولانا کی تعریف میں کہتا ہے ؎

ساقیِ جاں جامِ معنی پُر شرابِ ناب ساخت   بعد ازاں جامی حریفانرا ز می سیراب ساخت

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اختصار کے ساتھ انکے اصنافِ شاعری کی تفصیل اور کیفیت بیان کریں۔

قصیدہ

ابتدا سے قصیدہ نویسی کی غرض یہ رکھی گئی ہے کہ اُمرا اور سلاطین کی مدح کرکے اُن سے کچھ حاصل کیا جائے۔ چنانچہ قصیدہ نویس کا یہ فرض قرار پایا کہ وہ اپنے ممدوح کو خوش کرنے کے واسطے طرح طرح کے اوصاف اُس کے لیے گڑھ کر ترتیب دے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ حسب صلہ نہیں ملتا تھا تو یہی تعریف لکھنے والے اُلٹی ہجو بھی کرتے تھے۔ ایک عربی کا شاعر کہتا ہے ؎

هجوت زهيرًا ثم إني مدحته　　　وما زالت الأشراف تهجى وتمدح

(میں نے زہیر کی ہجو لکھی پھر مدح کی۔ اور شرفا کی تو ہمیشہ ہجو اور مدح ہوتی رہتی ہے)

مولانا سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ دُنیاوی جاہ و مال کے لیے اس قسم کے نفرت انگیز جھوٹ سے اپنی مقدس زبان کو آلودہ کرتے۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

من آں نیم کہ زباں را بہرزہ آلایم　　　بمدح و ذمِّ خساں نوکِ خامہ فرسایم

(میں وہ شخص نہیں ہوں کہ میری زبان یا بیہودہ باتوں سے آلودہ ہو اور دُنیاداروں کی ہجو اور مدح میں خامہ فرسائی کروں)

ایک جگہ اور کہا ہے۔

بدنداں رخنہ در دیوار کردن　　　بناخن راہِ خارا را بُریدن
فرو رفتن بآتشداں نگونسار　　　بہ نوکِ دیدہ آتش پارہ چیدن
بہ فرقِ سر نہادن صد شتر بار　　　ز مشرق جانبِ مغرب دویدن

بستہ بہ جامیؔ آساں تر نماید ز بار منّت دوناں کشیدن

(یعنی دانتوں سے دیوار میں سوراخ کرنا۔ ناخن سے پتھر کی چٹانوں کو کاٹنا۔ آتشدان میں اُلٹا کر کے ڈال دیا جانا۔ اور آنکھوں سے چنگاریاں اُٹھانا۔ سر پر سو اُونٹ کے بوجھ رکھ لینا۔ مشرق سے مغرب تک دوڑنا۔ یہ سب جامیؔ کے لیے بہت آسان ہے کمینوں کے احسان کے بوجھ اُٹھانے سے)

اُنکے قصیدے عام قصیدہ گویوں کے خلاف ایک انوکھا انداز رکھتے ہیں۔ یعنی وہ بجائے مدح و تعریف کے پند و نصیحت کرتے ہیں۔ سلطان یعقوب تبریزی نے خط اور تحفہ جات بھیجے ہیں۔ اُسکی شان میں قصیدہ لکھا ہے۔ معمولی تمہیدوں کے بعد اُسکو عدل اور انصاف کرنیکی ہدایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

اں گونہ زی کہ رشتۂ آمال را بود عدلت گرہ کشائے نہ ظلمت گرہ فگن

ز انصاف ملک اطرب آباد کن چنانکہ کانجا غریب را رود از دل غم وطن

آخر تک اسی طرح برابر نصیحت کرتے چلے گئے ہیں

سلطان حسین نے ایک عالیشان محل بنوایا۔ اُس موقع پر مولانا نے ایک چیدہ قصیدہ لکھا۔ اُس میں کہتے ہیں ؎

مدح ادچوں شاعراں خواہم کہ گویم لیک نیست پیشِ ارباب وفا کا و فطنت آں را اعتبار

مدحت آں باشد کہ از بخشایش بخشش کند عدل وجود خود رقم بر صفحۂ لیل و نہار

(یعنی میں چاہتا ہوں کہ اُسکی شاعرانہ مدح کروں لیکن عقلا کے نزدیک ایسی مدح کا کوئی اعتبا

نہیں ہو۔ اصلی مدح یہ ہے کہ اپنی فیاضی اور سخاوت سے عدل وجود کی یادگار زمانے کے صفحوں پر لکھے)

آگے چلکر صاف صاف فرماتے ہیں ؎

سعی در تعمیرِ صورت بیش ازیں ہنما کہ ہست
پیشِ معمارانِ دار الملکِ معنی عیب و عار

کارِ طفلانست کردن نقش بر دیوار و در
بالغانرا زینہار از کارِ طفلاں زینہار

(یعنی اب ظاہری عمارت بنانی چھوڑ دے۔ کیونکہ روحانی عمارت بنانے والوں کے نزدیک

یہ عیب اور شرم کی بات ہے۔ در و دیوار پر نقش و نگار بنانا بچوں کا کام ہے۔ عقلمندوں کو

بچوں کا کام ہرگز زیب نہیں دیتا)

سلطان محمد فاتح نے ۸۵۷ھ میں جب قسطنطنیہ فتح کیا ہے اُسوقت

انکی مدح میں مولانا نے ایک نہایت زبردست قصیدہ لکھکر بھیجا ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎

کم کسے بر سریر جاہ و جلال
چوں تو کرد اکتسابِ فضل و کمال

اس قصیدے میں مولانا مولانا نہیں رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ موقع

ایسا تھا کہ اسپر انکے اسلامی جذبہ کو جوش آگیا۔ کیونکہ قسطنطنیہ کی فتح اسلامی تاریخ

کا نہایت اہم واقعہ ہے۔ اسلام کی متواتر آٹھ سو سال کی آرزو سلطان

محمد فاتح کے ہاتھ سے اللہ نے پوری کرائی۔

نعت میں قصیدے ہیں۔ خاقانی اور خسرو کے قصیدوں پر قصیدے لکھے

ہیں۔ قصیدہ حجۃ الاسرار جو خسرو کے قصیدے کے جواب میں لکھا ہے اُسمیں

کس لطیف شاعرانہ پیرائے میں حکمت کی باتیں بیان کی ہیں۔ کہتے ہیں ؎

باحسودان لطف خوش باشد ولے نتوان باب / کشتن آن آتش کہ اندر سنگ آتش مضمر است

(حاسدوں کے ساتھ مہربانی اچھی ہے لیکن پانی سے اُس آگ کا بجھانا ممکن نہیں ہے جو سنگ چقماق میں پوشیدہ ہوتی ہے)

کسب کی تعریف کرتے ہیں ؎

ساغرِ راحت بود از کسب کف آبلہ / وقتِ آنکس خوش کہ راحت یافتہ زیں ساغر است

(محنت سے ہاتھ پر جو آبلہ پڑتا ہے وہ ساغرِ راحت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جسنے اِس ساغر کا مزا پایا ہے)

طعنہ زنی ہمیشہ ناگوار ہوتی ہے ؎

طعنہ از کس خوش نباشد گرچہ شیریں گو بود / زخمِ نے بر دیدہ سخت ست ار ہمہ نے شکر است

(طعنہ کسی کی زبان سے اچھا نہیں لگتا خواہ وہ کتنا ہی شیریں بیان کیوں نہو۔ نے خواہ نے شکر ہی ہو لیکن آنکھ پر اُسکی چوٹ سخت ہوتی ہے)

غزل

مولانا کی غزلوں میں خیالات اور مضامین وُہی ہیں جو سعدی اور حافظ کی غزلوں میں ہیں لیکن طرزِ بیان وہ نہیں ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ ہرات میں بیٹھکر وہ شیراز کی زبان کہاں سے لاتے۔ علاوہ بریں امیر خسرو اور سلمان نے رعایتِ لفظی کو بہت رواج دیا تھا۔ مولانا کی شاعری بھی اِس سے محفوظ نہ رہ سکی۔ زیادہ تر وہ غزل میں کمال خجند کا تتبع کرتے ہیں فرماتے ہیں ؎

یافت کمال بخشش تا گرفت / چاشنی از سخنانِ کمال

ہم نمونۃً اُنکی غزل کے کچھ منتخب اشعار درج کرتے ہیں ؎

از خارِ خارِ عشقِ تو در سینہ دارم خارہا — ہر دم شگفتہ بر رُخم زان خارہا گلزارہا

زاہد بہ سجدہ بُردہ پے - حاجی بیاباں کردہ طے — آنجا کہ باشد نقل و مے بیکار نیست این کارہا

ہر دم فروشم جاں ترا - بوسہ ستانم در بہا — دیوانہ ام باشد مرا با خود بسے بازارہا

تو دادہ بار ہر خسے - من مُردہ از غیرت بسے

یکبار میرد ہر کسے - بیچارہ جامی بارہا

من نہ تنہا خواہم این خوبانِ شہر آشوب را — کیست در شہر آنکہ خواہان نیست روئے خوب را

گر بہ تیغِ تو جدا شد سرم از تن چہ غم است — غم از انست کہ از تیغِ تو افتاد جدا

باز ہوائے چمنم آرزوست — جلوۂ سرو و سمنم آرزوست

نکہتِ گُل را چہ کُنم اے نسیم — بوئے از اں پیرہنم آرزوست

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

چہ خجستہ صبحدمے کز اں - گُلِ نو بہم خبرے رسد — ز شمیم جعدِ معنبرش - بمشامِ جاں اثرے رسد

بخدا نگاہ جفائے تو - چہ بلا خوشم کہ ہنوز ازاں — ز دلم نکردہ سبکے گذر کہ تقفائے آں دگرے رسد

گر بہ تیغِ عشق جامی کُشتہ شد - تدبیر چیست — عشق اگر اینست خواہد کشت بسیار اینچنیں

چوں نیست بختم آنکہ من گردم دمے ہمرازِ تو — با دیگراں میگو سخن - تا بشنوم آوازِ تو

آسودہ دلا حالِ دلِ زار چہ دانی — خوں خواریِ عُشّاق جگر خوار چہ دانی

اے فاختہ پرواز کناں بر سرِ سروی — دردِ دلِ مُرغانِ گرفتار چہ دانی

مولانا کا اصلی میدان نعت ہے - اسکی وجہ یہ ہو کہ وہ سچّے عاشقِ رسول ہیں -

اِسلئے نعت میں جو کچھ کہتے ہیں وہ اصلی جذبات کے سانچے میں ڈھلکر نکلتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

اَحِنُّ شَوْقاً اِلیٰ دِیَارٍ لَقِیْتُ فِیْہَا جَمَالَ سَلْمیٰ — کہ میرساند ازاں نواحی نویدِ لطفے بجانبِ ما

زہے جمالِ تو قبلۂ جاں۔ حریمِ کوئے تو کعبۂ دل — فَاِنْ سَحَبْنَا اِلَیْکَ نَسْجُدُ۔ وَاِنْ سَعَیْنَا اِلَیْکَ نَسْعیٰ

زسِرِّ عشقِ تو بود ساکن۔ زبانِ اربابِ شوق لیکن — زبیزبانی غمِ نہانی چنانکہ دانی شدہ آشکارا

بِکَتْ عُیُوْنِیْ عَلیٰ شُیُوْنِیْ۔ فَسَاءَ حَالِیْ وَلَا اُبَالِیْ — کہ دانم آخر طبیبِ صادق مریضِ خود را کند مدارا

رُوْحِیْ فِدَاکَ یَا صَنَمَ الْبَطْحیٰ لقب — آشوبِ ترک و شورِ عجم فتنۂ عرب

کس نیست در جہاں کہ ز حسنت عجب نماند — اے در کمالِ حسن عجب تر ز ہر عجب

تحفۃ الاحرار میں کہتے ہیں۔

اخترِ برجِ شرفِ کائنات — گوہرِ دُرجِ صدفِ کائنات

جنبشِ اوّل ز محیطِ قدم — سلسلہ جنبانِ وجود از عدم

اے عربی نسبت و اُمّی لقب — بندۂ تو ہم عجم و ہم عرب

تیغِ عرب زن کہ فصاحت تراست — صیدِ عجم کن کہ ملاحت تراست

یوسف زلیخا میں فرمایا ہے۔

زمہجوری برآمد جانِ عالم — تَرَحَّمْ یَا نَبِیَّ اللّٰہ تَرَحَّمْ

نہ آخر رحمۃٌ للعالمینی — ز محروماں چرا فارغ نشینی

بروں آور سر از بُردِ یمانی — کہ روئے تست صبحِ زندگانی

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ — بسر بربند کافوری عمامہ

دیم طائفی نعلین پا کن | شہر اک زرشتہ جانہاے ما کن
زحجرہ پاے در صحن حرم نہ | بفرق خاک رہ بوسان قدم نہ

تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

مثنوی

تمام شعرار فارس کے نزدیک مسلمہ طور پر اقلیم مثنوی کے بادشاہ خواجہ نظامی گنجوی ہیں۔ یہ مشہور ہے ع۔ امام مثنوی گویاں نظامی۔ ایک شاعر کہتا ہے

نظام عقد لولوے سخن را | بآئین نظامی کس نہ بستہ
ہزاراں رحمت حق بر روانش | کہ الحق شعر بروے ختم گشتہ

شیخ احمد جام فرماتے ہیں

منشی سخن۔ کان خرد۔ خواجہ نظامی | کو خیمہ گفتار بہ بستان ارم زد
سلطان سخن دان و سخنگوے و سخنور | کو سکۂ خود را ہمہ بر ملک عجم زد

ان کے امام ہونیکی بہت بڑی دلیل یہی ہے کہ جو مثنویاں انھوں نے لکھیں اسکے بعد بہت لوگوں نے ان کے جواب لکھے لیکن کوئی بھی ان تک نہ پہونچ سکا۔ بڑے بڑے شعرار میں سے مندرجہ ذیل لوگوں نے انکے خمسہ یعنی پانچوں مثنویوں کا جواب لکھا ہے۔

نظامی۔ مخزن الاسرار۔ خسرو شیریں۔ لیلی مجنوں۔ ہفت پیکر۔ سکندر نامہ
خسرو۔ مطلع الانوار۔ شیریں خسرو۔ لیلی و مجنوں۔ ہشت بہشت۔ آئینہ سکندری

جامی - تحفۃ الاحرار - یوسف زلیخا - لیلیٰ مجنوں - سلسلۃ الذہب - خرد نامۂ سکندری
فیضی - مرکز ادوار - نلدمن - سلیمان و بلقیس (ناتمام) ہفت کشور (ناتمام) - اکبر نامہ (ناتمام)

اِنکے علاوہ اور بھی شعراء مثلاً نوائی - ہاتفی وغیرہ نے بھی جواب لکھے لیکن
کوئی اُنکی برابری نہ کرسکا - مولانا جامی بہارستان میں لکھتے ہیں کہ خمسہ نظامی کا
جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہیں لکھا لیکن خسرو کی مثنویوں کے متعلق عبید
بیدار اسے ظاہر کرتا ہے ؎

غلط اُفتاد خسرو را از خامی — کہ سکبا پخت در دیگِ نظامی

آرتثبات لکھتا ہے کہ مولانا جامی کا ہفت اورنگ خمسہ نظامی کے
برابر تسلیم کیا گیا ہے - لیکن ناظم ہروی جس نے یوسف زلیخائے جامی کا جواب
لکھا ہے، اپنے آپ کو مولانا جامی کا مدِّ مقابل قرار دیتے ہوئے یہ کہتا ہے ؎

توانم کرد از عجب بیانی — سخن با ہر کہ باشد جز نظامی
چرا کو در سخن مشرق جنابست — کتابش را ظہورِ آفتابست
خدنگش را پیغمبری نیست — ولے دانم ز شستِ شاعری نیست

خود مولانا جامی کو یہ دلی آرزو ہے کہ میں نظامی یا خسرو کے ہمپایہ
ہوجاؤں - چنانچہ دُعا مانگتے ہیں ؎

اہلِ دل از فکر چو محفل نہند — بادہ راز از قدحِ دل دہند
رشحے ازاں بادہ بہ جامی رساں — رونقِ نظمش بہ نظامی رساں

پست چو خاکست۔ بہ بزاز نوش | جرعہ از جاگہ خسرو وش
قافیہ آنجا کہ نظامی سراست | برگذرد قافیہ جامی سراست

پھر اسکے بعد اگرچہ جلال میں آکر پلٹتے ہیں ؎

آں نفس از ہمت دون منست | ویں ہوس از طبع زبون منست
صد چو نظامی و چو خسرو ہزار | بادہ ام از جام سخن جرعہ خوار

لیکن حقیقت یہ ہے کہ نظامی سے کسیکو کوئی نسبت نہیں۔ تمام جوابوں کے لکھے جانیکے بعد بھی انکی مثنویاں لاجواب ہی رہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں دل کی اپج سے کہتے ہیں۔ انکی مثنویوں میں جدت کی ایک روح پائی جاتی ہے۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

عاریت کس نہ پذیرفتہ ام | انچہ دلم گفت بگو۔ گفتہ ام
شعبدۂ تازہ برانگیختم | ہیکلے از قالب نو ریختم

بہ خلاف اسکے اوروں کی مثنویوں میں محض تتبع اور تقلید ہے۔ فیضی نے خمسہ کے جواب میں جو مثنویاں لکھیں انپر مولانا نشانی نے یہ رائے ظاہر کی ؎

خانہ کہ از نظم بیاراستی | آب نگارش از دگراں خواستی
تازگی آں سبزہ باراں نشست | از عرق پیشانی یاران تست
انچہ تو گفتی دگراں گفتہ اند | دُر کہ تو سفتی دگران سفتہ اند

خود مولانا جامی۔ نظامی ہی کی داغ بیل پر عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے اشعار کے بندشیں اور

کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ یہ مثنوی میرے نام پر کیوں نہ لکھی گئی۔ یہاں تک کہ امیر ہمایوں سے جب اسنے یوسف زلیخا اپنے نام لکھوائی تب افسوس کسیقدر کم ہوا۔ بڑے بڑے بیش قیمت نسخے یوسف زلیخا کے لکھے جاتے تھے۔ اور لوگ شوق سے بڑی بڑی گران قیمتوں پر انکو خریدتے تھے۔ میر علی[1] خوشنویس نے اسکا ایک نہایت بیش قیمت نسخہ سنہ ۹۳۰ھ میں لکھا تھا۔ سنہ ۱۰۱۹ھ میں یہ نسخہ اتفاق سے عبدالرحیم خان خانان کے پاس آیا۔ اُسنے ایکہزار اشرفی پر خرید کر جہانگیر بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ اب وہ بانکی پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔

یورپ میں بھی اس مثنوی نے مقبولیت حاصل کی ہے۔ چنانچہ کئی یورپین زبانوں میں اسکا ترجمہ ہو چکا ہے ایک فرانسیسی مورّخ تھارنٹن لکھتا ہے کہ:—

"مثنوی یوسف زلیخا فارسی ادب کا ایک نہایت بیش قیمت جزو ہے"

"جامیؒ نے نوجوان کنعانی کا قصہ بیان کرنے میں انتہائی شاعرانہ طاقت صرف کر دی ہے"

---

[1] میر علی کاتب پسر مولانا رفیق اپنے زمانہ کا بینظیر مصوّر و مذہّب و خوشنویس تھا۔ ہرات میں پیدا ہوا۔ بخارا وغیرہ مختلف مقامات میں تعلیم پائی۔ مشہور خوش نویس مولانا سلطان علی متوفّی سنہ ۹۲۰ھ کا شاگرد رشید تھا۔ مولانا جامی کی بھی کچھ دنوں شاگردی کی۔ بہت حسین اور نازک اندام تھا۔ مولانا نے اسکے متعلق ایک غزل بھی لکھی تھی جسکا مطلع یہ ہے ۔ زہے نہالِ قدت تو عصائے پیری ما ٭ براستی کہ کشد سر ز دستگیری ما ٭ انشائے جامی میں ایک خط میں اسکی خوشنویسی اور غزل گوئی کی بہت تعریف کی ہے۔ وہ مجنون تخلص کرتا تھا۔ سنہ ۹۳۴ھ میں وفات پائی۔

ولیم جونس کا قول ہے کہ

"میں نے یوسف زلیخائے جامی سے بہتر کوئی عاشقانہ مثنوی نہیں پڑھی"

ناظم ہروی نے باوجود اسکے کہ مولانا کی یوسف زلیخا کا جواب لکھا ہے لیکن تسلیم کیا ہے کہ اس قصے کے لکھنے کا جو حق تھا وہ مولانا ہی نے ادا کیا۔ کہتا ہے ؎

خصوصاً آنکہ بیک نظم راپوست	دریں نظم ایں حکایت بستہ اوست
ولایت گیر ہفت اقلیم توحید	مجرد سیر گردون تجرید
ز شرح متن دانائی محشا	تصوف را ز فیضش دست بالا
سپہر نظم او قطب معانی	ازاں برتر کہ قدرش توانی
بنات النعش گر پروین توان کرد	بہ ہفت اورنگ او تحسین توان کرد

حقیقت مست بزم خوش کلامی

نشاطِ جاں پرور توفیق جامی

فردوسی جیسے عظیم الشان شاعر کے لکھنے کے بعد اس قصے میں مولانا جامی کا سبقت لیجانا ان کے انتہائے کمال شاعری کی دلیل ہے۔ درحقیقت یہ مثنوی تمام اہل نے مولانا ہی کے حصے میں رکھی تھی۔

یوسف اور زلیخا کے قصے میں بعض بعض ایسے مقامات ہیں جہاں پر شاعر کے شاعرانہ کمالات دیکھنے کا موقع ہے۔ مثلاً جب حضرت یوسف کو ان کے بھائی سیر و شکار کے بہانے بیابان میں لے گئے۔ اور وہاں انکو ستانا اور مارنا

شروع کیا۔ اور کنوئے میں ڈالنے لگے۔ اُسوقت اُس بے کس اور بے بس ننھے دل پہ کیا گذری تھی۔ اِس کیفیت کو دونوں بیان کرتے ہیں ؎

فردوسی	جامی
چنیں گفت پدر دو پاش اے پدر	گہے در خون وگہ در خاک مے خفت
کہ کار من از گیتی آمد بسر	بانده دلِ صد چاک میگفت
ندانی کہ با من زمانہ چہ کرد	کجائی اے پدر آخر کجائی
جہاں با تنِ من بہانہ چہ کرد	زحالِ من چنیں غافل چرائی
تو پنداری اے بابِ نیک اخترم	بیا بنگر کنیزک زادگاں را
کہ بادہ برادر بہ بازی درم	زراہِ عقل و دیں افتادگاں را
من اے بابِ فرخ نہ در بازیم	بیا بنگر مرا تا در چہ حالم
بہ بیں اندریں چہ رسن بازیم	بدستِ ایں حسوداں پائمالم
دریغا بسوگند غرّہ شدم	عزیزِ خویش را خود خوار کردی
کہ با دشمناں سوئے دشت آمدم	بدستِ دشمناں افگار کردی
دریغا مرا دشمن از خانہ خواست	مرا در چنگِ بے مہراں فگندی
ازیں را کہ کارم چنیں بے نوا است	غزالے در کفِ گرگاں فگندی پسندی

ایک دوسرا موقع اس سے بھی بڑھکر ہے۔ وہ یہ کہ جب مصر میں یہ چرچا پھیلا کہ زلیخا اپنے غلام پر عاشق ہے۔ اور مصر کی عورتوں نے اُسے ملامت کرنی

شروع کی تو اُسنے اِن سب عورتوں کو دعوت دی۔ کھانے سے فارغ ہونیکے بعد سب کے ہاتھوں میں چاقو اور لیموں دیے۔ اور حضرت یوسف علیہ السّلام کو محفل میں بُلا کر اُن عورتوں سے کہا کہ اب تم اپنے اپنے لیموں کاٹو۔ وہ عورتیں حضرت یوسفؑ کا جمال دیکھکر اسقدر محو ہوگئیں کہ بجائے لیموں کے کسی نے ہاتھ کاٹ لیا، کسی نے انگلیاں قلم کردیں اور بے ساختہ کہہ اُٹھیں کہ یہ انسان نہیں ہے بلکہ فرشتہ ہے۔ اِس منظر کا دونوں نقشہ کھینچتے ہیں ؎

فردوسی	جامی
برون آمد از خانہ یوسفؑ چو ماہ	ز خلوت خانہ آں گنج نہفتہ
فروغ رخانش علم بر کشاد	برون آمد چو گلزار شگفتہ
زنان را دل و دیدہ آشفتہ شد	زنانِ مصر کاں گلزار دیدند
دلِ بختِ بیدارِ شاں خفتہ شد	ز گلزارش گلِ دیدار چیدند
پدید آمد آں فرّ و زیب و فر	بیک دیدار کار از دستِ شاں رفت
بچشم و دلِ آں زنان سر بسر	زمامِ اختیار از دستِ شاں رفت
بجائے ترنج آں بُتان نازکیش	ز زیبا شکلِ او حیراں بماندند
بُریدند یکسر کفِ دستِ خویش	ز حیرت چوں تنِ بیجاں بماندند
ز بیہوشی و بیدلی و جنون	ندانستہ ترنج از دستِ خود باز
نشاں درد کردند و دیدند خون	ز دستِ خود بُریدن کرد آغاز
پس آنگہ زلیخا بدیشاں نمود	یکے از تیغ انگشتاں قلم کرد

مضامین بھی اُنھیں سے لیے ہیں ۔ مثلاً :-

نظامی	جامی	نظامی	جامی
خداوندا در توفیق بکشائے	الٰہی غنچۂ اُمید بکشائے	چہ خوشتر زانکہ بعد از انتظارے	خوشا وقتے و خرم روزگارے
نظامی را رہِ تحقیق بنمائے	گُلے از روضۂ جاوید بنمائے	باُمیدے رسد اُمیدوارے	کہ یارے برخورد از وصلِ یارے
چو ابراہیم با بُت عشق میباز	خلیل آسا در ملکِ یقین زن	ز غمزہ تیر و از ابرو کماں ساز	ز غمزہ تیر و از ابرو کماں کن
ولے بُت خانہ را از خود بپرداز	نوائے لا احبُّ الآفلین زن	ہمہ باریک بینی راست انداز	شکارِ آں نگارِ دلستاں کن

لیکن نظامی کی مثنویوں کے بعد اگر کسی کی مثنویاں پیش کی جاسکتی ہیں تو مولٰنا جامی کی ۔ تذکرۂ آتشکدہ کا مصنف کہتا ہے کہ "نظامی کے بعد ایسی مثنویاں کسی نے نہیں لکھیں جیسی مولٰنا جامی نے لکھی ہیں" ۔

جس زمانے میں یہ مثنویاں لکھی گئی تھیں بہت مقبول ہوئی تھیں یہاں تک کہ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ سے مانگ بھیجیں ۔ چنانچہ مولٰنا نے اپنی ساتوں مثنویوں کو خوشخط لکھوا کر وہاں بھیجا ۔ یوں تو اُنکی تمام مثنویاں معروف اور مقبول ہیں لیکن ان سب میں زیادہ تر مقبولیت یوسف زلیخا کو حاصل ہوئی ۔

یوسفؑ اور زلیخا کے عشق کا قصہ ایشیائی شاعری میں بہت مقبولِ عام اور بطور ضرب المثل کے ہے ۔ چنانچہ شروع سے آجتک مختلف زبانوں میں حسبِ ذیل شعرا نے اس قصہ کو نظم کا لباس پہنایا ہے ۔

فارسی میں

فردوسی - ابو موید بلخی - بختیاری اہوازی - عمعق بخاری - مولانا جامی - امیر
ہمایوں اسفرائینی - ناظم ہروی - شوکت شیرازی

ترکی میں

شیخ حمد اللہ حمدی بن آقا شمس الدین محمد متوفی ۹۰۹ھ - مولانا شمس الدین احمد
بن سلیمان معروف بہ ابن کمال پاشا متوفی سنہ ۹۴۰ھ - شکاری خلیفہ بہشتی
متوفی سنہ ۹۷۶ھ نعمت اللہ الہنازی - یحییٰ بیگ متوفی سنہ ۹۹۰ھ -
محمد کامی سنان بن سلیمان جو سلطان بایزید کے دربایوں میں سے تھا - وہبی
بغدادی متوفی سنہ ۱۰۲۳ھ -

اردو میں

میرزا امان تپش دہلوی - ملا آذر - مولانا راحت - استاد فگار - منشی نند کشور

ان سب میں صرف مولانا جامی ہی کی مثنوی کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی
کہ وہ درس میں داخل کی گئی -

جس زمانے میں یہ تصنیف ہوئی ہے اُس وقت کے مذاق کے اسقدر مطابق
تھی کہ بہت سے لوگوں نے اُسے ازبر کر لیا تھا - خود سلطان حسین جسکے نام پر
یہ مثنوی لکھی گئی تھی، اپنی کتاب مجالس العشاق میں اسقدر اسکے اشعار نقل
کرتا ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اسکا حافظ تھا - سلطان یعقوب تبریزی

که آشفتگی دست تازا چه بود بدل حرف دفائے او رقم کرد
خجل گشته تاں دل ز کردارِ خویش یکے پر ساخت از خوں صفحۂ سیم
فگندند یکسر سر از شرم پیش کشیدش جدولے سرخے چو تقویم
چو گشتند با خجلت و شرم جفت چو دیدندش که جز و الا گہر نیست
زباں شاں ہمہ حاش للہ گفت برآمد بانگ زیشاں کیں بشر نیست
که این نیست از گوہرِ آدمی نہ چوں آدم ز آب و گل سرشتہ است
فرشتہ است پیدا شدہ بر زمی ز بالا آمدہ قدسی فرشتہ است

بات یہ ہے کہ جس شخص نے ساری عمر میدانِ جنگ میں گذاری ہو وہ بزم ناز کے راز و نیاز کیلئے موزوں نہیں۔ فردوسی کی زبان پر وہی رزمیہ الفاظ اور اصطلاحات چڑھے ہوئے ہیں۔ پہلے ہی شعر کو دیکھو۔ "چون باد و بیروں آمد۔ علم برکُشاد" جنگی شاعری کے الفاظ ہیں۔

فردوسی نے پورے تیس سال شاہنامہ لکھنے میں صرف کئے۔ اسکے بعد بڑھاپے میں یوسف زلیخا لکھی ہے۔ چنانچہ اسکے دیباچہ میں کہا ہے ؎

بسے گوہرِ داستاں سفتہ ام بسے نامۂ باستاں گفتہ ام
بہ بزم و برزم و بہ کین و بمہر یکے از زمین و یکے از سپہر
ز ہر گونہ نظمم آراستم بگفتم در و ہر چہ میخواستم
نکارم کنوں تخمِ رنج و گناہ کہ آمد سفیدی بجائے سیاہ

دلم سیر گشت از فریدون گرد | مرا زانچہ کو تختِ ضحاک برد
دلم گشتہ سیر و گرفتم ملال | ہم از پورِ کاؤس ہم از پورِ زال
نگویم دگر داستانِ ملوک | دلم سیر شد ز استانِ ملوک
کہ آں داستانہا دروغست پاک | دو صد زاں نیرزد بیک مشتِ خاک
ز پیغمبراں گفتہ باید سخن | کہ جز راستی شاں نبد بیخ و بن

فردوسی نے مصر میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اسباط کی تشریف آوری کا حال بھی تمام و کمال بیان کیا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ باوجود اسکے کہ یہ تمام واقعات قرآن شریف میں موجود ہیں، مولانا نے اس دلچسپ اور ضروری حصہ کو کیوں چھوڑ دیا۔

اسکے علاوہ فردوسی نے قصہ اسطرح بیان کیا ہے کہ یوسفؑ مصر میں بکتے ہوئے گئے۔ زلیخا کے شوہر نے جو عزیز مصر تھا اُنکو خرید لیا۔ زلیخا نے اُنکی تربیت اور پرورش کی۔ اور بوجہ حسن و جمال کے اُنپر عاشق ہوگئی۔

اور مولانا زلیخا کو بچپن ہی سے خواب میں حضرت یوسفؑ کا عاشق بناتے ہیں۔ غالباً اس اضافہ سے اُنکا مطلب یہ ہے کہ قصہ کی دلچسپی بڑھے کیونکہ چلنے والے اونٹ سے آہستہ اُٹھنے والے اونٹ کا قصہ زیادہ دلچسپ ہوتا ہے

تمّت

(کاتب الحروف احقر البرایا محمد یحییٰ ساکن علی گڑھ)

(۲۹-رجب ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۶-جولائی ۱۹۱۱ء)